اِتّحاد بین المسلمین

وقت کی اہم ترین ضرورت

سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ایک فکر انگیز اور توجہ طلب تحریر
جو آپ سے تنہائی میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے کی دردمندانہ التجا کرتی ہے!

محمد متین خالد

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

اتحاد بین المسلمین

وقت کی اہم ترین ضرورت

سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی ایک فکر انگیز اور توجہ طلب تحریر
جو آپ سے تنہائی میں بیٹھ کر مطالعہ کرنے کی دردمندانہ التجا کرتی ہے!

محمد متین خالد

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
ریلوے روڈ نزد تحصیل موڑ ننکانہ صاحب
:0300-8572511, 0300-4839384

انتساب!

خوش گفتار، خوش کردار، خوش اطوار، خوش افکار

جناب حبیب الرحمٰن صاحب (وزیرآباد)

کے نام

جن سے مل کر زندگی سے پیار ہو جائے وہ لوگ
آپ نے دیکھے نہ ہوں گے ہاں مگر ایسے بھی ہیں

جذبہ صادق

اتحاد بین المسلمین ملت اسلامیہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور اس کی اہمیت وناگزیریت ہر نئے دن پہلے سے بڑھ کر آشکار ہوتی جا رہی ہے۔ معاشرے میں تیزی کے ساتھ پھیلتا ہوا الحاد اور دین سے بیزاری کے فروغ پذیر رجحانات ہمیں متوجہ کرتے رہتے ہیں کہ اہل دین کو اپنے فروعی اختلافات بھلا کر باہمی وحدت کی فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری نوجوان نسل بالخصوص ہماری مسلکی آویزشوں کے باعث روز بروز دین سے دور ہوتی جا رہی ہے اور یہ دوری بالآخر کفر والحاد پر منتج ہوتی ہے۔ اُمت میں علمی اختلافات اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے چلتے آ رہے ہیں لیکن ان اختلافات کے باعث شاید ہی کسی کی تکفیر کی گئی ہو بلکہ ایسا بھی نہیں ملتا کہ ان کے مابین احترام باہمی کا جذبہ ماند پڑ گیا ہو جبکہ ہمارے ہاں چند پہلو نہایت ہی تشویشناک ہیں۔ ایک تو ہم نے علمی اختلافات کی بناء پر پورے پورے فرقے کھڑے کر دیئے ہیں اور ایک عرصہ سے ہم ان فرقوں کے چڑھانے کو ہی سب سے بڑی دینی خدمت سمجھے بیٹھے ہیں۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے کہ ان اختلافات کی بنیادیں ہیں لیکن یہ ایسے معاملات بھی نہیں ہیں جنہیں مل کر حل نہ کیا جا سکتا ہو۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب ہم اُمت کے وسیع تر مفادات کے لیے اکٹھے ہو سکتے ہیں تو اپنے عمومی رویوں میں اتحاد کی فضا پیدا کرتے ہوئے یہ شدت کم کیوں نہیں کر سکتے؟ پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ دینی قوتیں جب بھی باہم متحد ہوئیں تو اللہ رب العزت نے انہیں کامیابی دی۔ تحریک تحفظ ختم نبوت ہو یا تحریک تحفظ ناموس رسالت یا تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ، یہ تمام تحریکیں تب ہی کامیاب ہوئیں جب دینی قوتیں اپنے تمام تر اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے

باہم متحد ہوگئیں۔ جدید ذہن ہم دینی لوگوں کی اس دورنگی کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہے کہ جو عمل وسیع تر مقاصد کے لیے ضروری سمجھا جائے، اسے عمومی حالات میں یکسر ناجائز سمجھ کر ترک کر دیا جائے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ ہم دیگر مسلک کے بارے میں جو بھی نکتہ نظر رکھیں حتی کہ انہیں کافر ومشرک اور بدعتی ہی کیوں نہ سمجھیں۔ کیا ہمارا محض ایسا سمجھ لینا ہمیں ہماری مذہبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ کر دیتا ہے؟ ہمارے ناقص فہم کے مطابق ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا جب کفر وشرک اختیار کرنے والوں کو بھی دعوت توحید ودین دینا ہمارا فریضہ ہے تو ان سے کیسے منہ موڑا جا سکتا ہے جنہیں ہم اپنے فہم کے مطابق کافر ومشرک سمجھ رہے ہیں جبکہ وہ خود کو مسلمان مانتے ہیں اور دین پر عمل پیرا بھی ہیں؟ ایسا تبھی ممکن ہوگا جب ہم اپنے اور ان کے درمیان نفرتوں کی دیواریں چننا چھوڑ دینگے اور ایک دوسرے کا نکتۂ نظر تحمل اور برداری سے سمجھنے کی کوشش کرینگے۔

اگر ہماری دعوت واقعتاً دعوت توحید ودین ہے تو وہ لوگ اس کے زیادہ حقدار ہیں جنہیں ہم بزعم خویش کافر ومشرک سمجھتے ہیں جبکہ وہ اہل قبلہ میں سے ہیں اور ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرنے والے بھی نہیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

- اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل:۱۲۵)

  اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

ہمارے باہمی اختلافات تب نفرتوں کی لپیٹ میں آتے ہیں جب ہم قرآن حکیم کے عطا کردہ اسلوب دعوت سے نگاہیں پھیر لیتے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے اسلاف نے ایسی باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو آب زر کے ساتھ لکھنے کے قابل ہیں۔

امام قرطبی آیت مبارکہ "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا" کے تحت فرماتے ہیں:

- لان الله تعالیٰ قال لموسیٰ وهارون "فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا" فالقائل لیس بأفضل من موسیٰ وهارون والفاجر لیس بأخبث من فرعون وقد أمر

هما الله تعالیٰ باللین معه (الجامع لاحکام القرآن:۲۔۲۰)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا: نرمی کے ساتھ گفتگو کرو چنانچہ نہ کوئی قائل حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے افضل ہے اور نہ ہی کوئی فاجر فرعون سے زیادہ خبیث ہے اس کے بوجود اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرنے کا حکم دیا۔

امام رازی رحمہ اللہ ''تفسیر کبیر'' میں آیت ''وَلاَ تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ'' کے تحت فرماتے ہیں۔

- **قال الجبائی: دلت هذه الآية على انه لا يجوز ان يفعل بالكفار ما يزدادون به بعداً عن الحق ونفوراً اذ لو جاز أن يفعله لجاز أن يأمر به و كان لا ينهى عما ذكرنا** (تفسیر کبیر: ج۱۳:۔۱۱۰)

شیخ جبائی کہتے ہیں: ''یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایسا فعل کفار کے ساتھ نہ کیا جائے جو حق تعالیٰ سے انہیں مزید نفرت دے کر دور کرے، اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو اس کا حکم دینا جائز ہوتا اور اس مذکورہ چیز سے منع نہیں کیا جاتا''۔

آگے فرماتے ہیں:

- **قالوا هذه الآية تدل على أن الأمر بالمعروف قد يقبح اذا أدى الى ارتكاب منكر، والنهي عن المنكر يقبح اذا أدى الى زيادة منكر،** (ایضاً:۱۱۰)

یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ امر بالمعروف اس وقت قبیح ہو جاتا ہے جب وہ بُرائی کے ارتکاب تک پہنچا دے اور نہی عن المنکر قبیح ہوتا ہے جب وہ بُرائی میں اضافہ کا سبب بنے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ یہ رویہ ان لوگوں سے اختیار کرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے جن کے کفر وشرک اور بدعت وضلالت میں ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہے تو وہ اہل قبلہ اس سے بڑھ کر حسن سلوک کے حقدار کیوں نہ ہونگے جو تاویل کرنے والے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ہم قرآن حکیم اور اسلاف کی عطا فرمودہ ان رویوں پر چل نکلیں، مناظرانہ آویزشوں اور ''جدال غیر محمود'' کا راستہ ترک کر دیں تو نہ صرف ہماری باہمی غلط فہمیاں کم ہوسکتی ہیں بلکہ باہمی نفرتوں اور عداوتوں کی دیوار کج کو بھی منہدم کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے برادر محترم محمد متین خالد کو اللہ رب العزت نے دل دردمند سے نوازا ہے اور وہ اُمت کو جوڑنے کا سوچتے رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کے اسی صادق جذبے کے طفیل ان سے تحفظ عقیدۂ ختم نبوت کے حوالے سے گرانقدر علمی خدمات لی ہیں۔

ان کی زیر نظر تالیف ''اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ترین ضرورت'' دراصل ان کا درد دل ہے جو انہوں نے دلسوزی اور اخلاص کے ساتھ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان کی تمام کاوشیں اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور اپنی شان کے لائق ان کو دارین میں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

دعا گو

(علامہ) محمد خلیل الرحمٰن قادری

ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ لاہور

نائب ناظم اعلیٰ ملی مجلس شرعی پاکستان

دین اسلام ہمارے اتحاد کی اصل بنیاد ہے۔ یہ مسلمانوں کی وحدت ملی اور فکر وعمل کا نام ہے۔ مسلمانوں کا باہمی اتحاد اور محبت شریعت کے اہم مقاصد میں سے ہے، اسی باہمی اتحاد اور اُلفت کے ذریعے دین و دنیا کی بھلائیاں اور باہمی مدد و نصرت حاصل ہوتی ہے۔ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تفرقہ بازی جائز نہیں۔ اس لیے ہر قسم کے انتشار و افتراق اور فرقہ بندی کے سدِ باب کے لیے قرآن مجید میں بار بار مسلمانوں کو متحد رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: **واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا و لا تفرقوا** (آل عمران: 103) ترجمہ: ''اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جُدا جُدا نہ ہونا''۔ حضور نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے اس مکان کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط رکھتا ہے۔ یہ فرما کر نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک دستِ مبارک کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں پیوست کر کے بتایا کہ سارے مسلمان اس طرح باہم مربوط ہیں۔'' یہی وہ مضبوط تعلق تھا، یہی وہ نظریہ تھا اور اسی کی بنیاد پر یہ جذبہ ایثار کار فرما تھا کہ ہجرت مدینہ کے موقع پر مدینے کے میزبانوں نے مکے کے مہمانوں کو گلے لگا لیا، اپنا سب کچھ ان کی خدمت میں حاضر کر دیا، ایک مدنی صحابی نے اپنے مکی بھائی سے عرض کی کہ میری دو بیویاں ہیں، ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، اس سے تم نکاح کر لو۔ یہ ہے مواخات مدینہ کا وہ منظر اور یہ ہے ملی یک جہتی کی وہ مثال کہ جس کی کوئی نظیر نہیں۔ ملی یک جہتی کا یہی وہ فلسفہ تھا کہ ایک خاتون کی پکار پر فاتح سندھ محمد بن قاسم دیبل کے ساحل پر آ پہنچا تھا۔

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی

حضور سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کی باہمی محبت اور رحمت و مودت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی جسم ہو، جس میں ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم) جس طرح ایک جسم کے مختلف اعضاء اپنی جداگانہ حیثیت اور انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے درپے آزار نہیں ہوتے، بلکہ پورے

جسم کے لیے تقویت کا باعث بنتے ہیں، بعینہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق تمام امت مسلمہ ایک جسم کے مانند ہے اور اس کے افراد بمنزلہ اعضاء۔ جسم کا ایک عضو بھی تکلیف اور درد میں مبتلا ہو تو بقیہ سارے اعضاء چین اور آرام سے نہیں رہ سکتے۔ درد بے شک جسم کے کسی ایک حصے میں ہو، اس کے لیے آنکھ اشکبار ہوتی ہے۔ یہی رشتہ ایک مسلمان فرد کا ملت اسلامیہ سے ہونا چاہیے جو آنکھ کا پورے جسم سے ہوتا ہے:

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اسے چھوڑتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے، کسی شخص کے بُرا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل کرے، مسلمان کا خون، مال اور عزت ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔ (صحیح بخاری)
آپ ﷺ ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ''میں تمہیں پانچ ایسی چیزوں کا حکم دیتا ہوں، جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے: 1- مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا۔ 2- بات سننا۔ 3- اطاعت کرنا۔ 4- جہاد کرنا۔ 5- ہجرت کرنا۔ کیونکہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوا، اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی، سوائے اس کے کہ وہ دوبارہ جماعت کی طرف لوٹ آئے''۔ (مسند احمد) ہمارا دین اسلام ان تمام امور کی وضاحت کرتا ہے جو محبت اور اتحاد کو تقویت دیتے ہیں اور بغض و نفرت کے اسباب ختم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قطع تعلقی سے منع کیا ہے، کیونکہ یہ بغض اور نفرت کا سبب بنتی ہے، نیز کینہ، عداوت، اختلاف اور فرقہ واریت کو جنم دیتی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال چھوڑے، اس طرح کہ جب دونوں کا آمنا سامنا ہو تو وہ ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے، جو سلام میں پہل کرے''۔ (صحیح بخاری) حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو ایسی چیز نہ بتا دوں جو ثواب کے لحاظ سے روزہ، نماز اور صدقہ جاریہ سے بڑھا ہوا ہے، صحابہ کرامؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ضرور بتلایئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپس میں مصالحت کرا دینا جبکہ باہم فساد ڈالنا تمام نیکیوں کو ختم کرنے والی چیز ہے۔

(ابوداؤد) حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مومن پر لعنت بھیجنا اسے قتل کرنے کی طرح ہے اور جس نے کسی پر کفر کی تہمت لگائی، تو یہ اسے قتل کرنے کے مانند ہے''۔ ایک اور صحیح حدیث میں ارشاد ہے: ''جس نے اپنے کسی بھائی کو کافر کہہ کر پکارا تو دونوں میں سے کوئی ایک ضرور کافر ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی کسی شخص پر فسق اور کفر کے تیر نہ چلائے، کیونکہ اگر مذکورہ شخص ویسا نہیں ہے تو اس کفر و فسق کا گناہ کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گا۔ (بخاری شریف)

مذکورہ آیت اور احادیث مبارکہ ہر مسلمان کو دعوت فکر دیتی ہیں کہ اتحاد بین المسلمین عصر حاضر کا اساسی تقاضا ہے۔ نفاق، انتشار، باہمی آویزش، مناقشات اور چپقلش ملت اسلامیہ کے لیے سم قاتل ہیں۔ تاریخ پاک و ہند کے عمیق مطالعہ سے یہ حقیقت ہم پر بخوبی آشکار ہو جاتی ہے کہ برصغیر میں انگریز کے منحوس قدم آنے سے قبل مسلمانانِ ہند **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا** پر پورے استحکام کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ غیر منقسم ہندوستان میں ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک اسلامی سلطنت قائم رہی۔ تمام اسلامیان ہند کا ایک ہی مسلک رہا۔ لیکن مغلیہ سلطنت کے سقوط اور برطانوی راج کے بعد مسلمانان ہند اغیار کی حکومیت میں بے شمار معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی مسائل کا شکار ہو گئے۔ انگریز بڑا عیار اور شاطر تھا۔ اس نے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان باہم متحد و متفق ہیں اور اخوت و محبت، بھائی چارے کے زریں اصول اپنائے ہوئے ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و عقیدت ہر مسلمان کے رگ و پے میں شامل ہے۔ ہر مسلمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لامحدود اور غیر مشروط محبت و احترام کرتا ہے اور آپ ﷺ کی ختم نبوت اور عزت و ناموس پر جان قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ یہی چیز دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں پرو دیتی ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کے اسی ایمانی جذبہ سے خائف تھیں اور ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے مسلمانوں میں تفرقہ بازی کی داغ بیل ڈالی گئی۔ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' **(Divide and Rule)** کا ورلڈ آرڈر جاری کیا گیا۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلمانوں کے درمیان معمولی اور فروعی اختلافات کو ہوا دی گئی۔ نفرت اور تعصب کی آگ کو بھڑکایا گیا۔ الغرض مسلمانوں کے باہمی اتحاد کو توڑنے کی سازشیں ہونے لگی۔ چنانچہ اِس فرقہ واریت کی بدولت کئی مسلمان اجتماعی اور ملی مفاد سے اختلاف کرنے لگے۔

حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

قرآن مجید میں فرقہ بندی کے حوالے سے سخت وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❑ **ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شیءِ انما امرھم الی اللّٰہ ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون (الانعام:159)**

ترجمہ: ''بے شک وہ جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور ہو گئے کئی گروہ (اے نبی ﷺ) نہیں ہے آپ کا اُن سے کوئی تعلق، اِن کا معاملہ صرف اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ بتائے گا انہیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے''۔

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں سے کوئی سروکار اور تعلق نہ رکھیں، جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنی جمعیت کا شیرازہ منتشر کر ڈالا۔ اس سے بڑھ کر فرقہ پرستی کی مذمت اور کیا ہوگی؟ فریقین کے درمیان تعلق کا ٹوٹنا کبھی ایک فریق کی جانب سے ہوتا ہے اور کبھی دوسری جانب سے۔ اساطیر قرآنی کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اکثر ایسا ہوا کہ پہلی امتوں کے لوگوں نے اپنی بداعمالیوں کی بنا پر خود اپنے نبی سے اپنا تعلق منقطع کر لیا اور وہ فسق و فجور اور کفر و طغیان کے اندھیروں میں بھٹک گئے۔ لیکن یہ بدبختی کی انتہا ہے کہ امت کے لوگ اخلاقی بے راہروی میں اس حد تک ملوث ہو جائیں اور دین کی اصل تعلیم سے اس طرح ہٹ جائیں کہ ان کا نبی حکم خداوندی سے خود ان امتیوں سے قطع تعلق کر لے۔ یہ اتنی بڑی حرماں نصیبی ہے کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا غور کیجیے! فرقہ پرستی کو قرآن نے کیسی بدبختی سے تعبیر کیا ہے۔ دینی وحدت کو پارہ پارہ کرنا اور باہمی نفرت و انتشار کو ہوا دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی پاداش میں نبی خود ایسے امتیوں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ گویا امت کا تعلق اپنے نبی کے دامن سے اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے، جب تک امتی اپنے آپ کو ایک وحدت سے منسلک رکھیں۔

فرقہ واریت کی مذمت میں اللہ رب العزت قرآن مجید میں مزید فرماتے ہیں:

❑ **ولاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللّٰہ مع الصبرین (الانفال:46)**

ترجمہ: ''آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

☐ **ولاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاء هم البینات و اولٰئک لهم عذاب عظیم (آل عمران:105)**

ترجمہ: ''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایت پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے''۔

یہاں بھی قرآن حکیم ملی وحدت اور ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کی تعلیم دے رہا ہے۔ اور بھی متعدد مقامات پر ایسے احکام صادر ہوئے ہیں جن میں مسلمانوں کو تفرقہ و انتشار سے اجتناب کرنے اور اتحاد و یک جہتی کو فروغ دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے نصوص ہیں، جو اجتماعیت کا حکم دیتی ہیں اور اختلاف اور فرقہ واریت سے منع کرتی ہیں۔ اس اصول کو اختیار کرنے والے اجتماعیت کے پیکر ہیں، جبکہ اسے چھوڑنے والے گروہ بندی کا شکار ہیں۔

مرشد قلب ونظر، اتحاد امت کے نقیب، ضیاء الامت حضرت پیر جسٹس محمد کرم شاہ الازہریؒ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''یہ ایک بڑی دلخراش اور روح فرسا حقیقت ہے کہ مرورِ زمانہ سے اس امت میں بھی افتراق و انتشار کا دروازہ کھل گیا جسے **واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا** کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ امت بھی بعض خود غرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اس پراگندہ شیرازہ کو یک جا کرنے کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشین پیرایہ میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقل سلیم کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی جائے۔ ہمارا اتنا ہی فرض ہے اور ہمیں یہ فرض بڑی دل سوزی سے ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد معاملہ خدائے بزرگ و برتر کے سپرد کر دیں۔ وہ حی و قیوم چاہے تو انہیں ان شبہات اور غلط فہمیوں کی دلدل سے نکال کر راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ **وما ذلک علی اللّٰہ بعزیز**۔ اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک

پہلوا ہلسنّت والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں (بریلوی، دیوبندی) میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی، حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت، قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔ لیکن بسا اوقات طرزِ تحریر میں بے احتیاطی اور اندازِ تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور باہمی سوءظن ان غلط فہمیوں کو ایک بھیانک شکل دے دیتا ہے۔ اگر تقریر و تحریر میں احتیاط و اعتدال کا مسلک اختیار کیا جائے اور اس بدظنی کا قلع قمع کر دیا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل میں اختلاف ختم ہو جائے۔ اور اگر چند امور میں اختلاف باقی رہ بھی جائے تو اس کی نوعیت ایسی نہیں ہوگی کہ دونوں فریق عصر حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کیے، آستینیں چڑھائے، لٹھ لیے ایک دوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے رہیں۔ ملت اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رستے ہوئے ناسوروں کو مندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے۔ یہ کہاں کی دانش مندی اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں۔ ان ناسوروں کو اذیت ناک اور تکلیف دہ بناتے رہیں۔"

فرقہ واریت دین کے لیے زہر قاتل ہے۔ اسلام اس کی شدید مذمت کرتا ہے۔ جو شخص اسلام میں کوئی فرقہ بناتا ہے، قرآن مجید اُسے مشرک گردانتا ہے جیسا کہ اس آیت سے واضح ہے۔

- **منیبین الیه و اتقوه و اقیموا الصلوة ولا تکونوا من المشرکینo من الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعا کل حزب بما لدیهم فرحونo**

(الروم:31،32)

ترجمہ: "(اے غلامانِ مصطفیٰ ﷺ تم بھی اپنا رُخ اسلام کی طرف کرلو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ (ان) مُشرکوں میں سے، جنہوں نے پارہ پارہ کر دیا اپنے دین کو اور خود فرقہ فرقہ ہو گئے۔ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے، وہ اسی پر خوش ہے"۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

دوسری طرف قرآن وسنت کی روشنی میں کسی مسئلہ میں تحقیق واجتہاد کے نتیجہ میں فقہاو علمائے کرام کے درمیان اختلاف کو جائز کہا گیا ہے بلکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تحسین بھی فرمائی ہے۔ اس لیے کہ وہ اختلاف خود اس بات کا پتا دیتا ہے کہ اکابرین امت میں غوروفکر، تحقیق وتجسس اور فہم وادراک کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ ان کی ذہانتیں مسائل زندگی کا حل قرآن وسنت سے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر سے ہی تلاش کرتی ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے''۔ اس میں ایک فریق دوسرے فریق کا اختلافی نقطہ نظر خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے۔ جنگ وجدال کا منظر پیش نہیں کرتا اور نفرت وعداوت کا ماحول پیدا نہیں کرتا۔ اختلاف اُس وقت مذموم بنتا ہے جب ایک فریق اپنی رائے کو دوسروں پر مقدم رکھتا ہے اور دوسروں کو گمراہ سمجھتا ہے۔ یہیں سے اصل خرابی پیدا ہوتی ہے۔ عدالت میں کھڑے زمین وآسمان کے قلابے ملاتے ہوئے دلائل دینے والے وکلا کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ اختلاف...... ایک ہی واقعے اور ایک ہی قانون کی تشریح اور اطلاق پر معزز عدالت کے جج صاحبان فیصلہ دیتے وقت کیا کر رہے ہوتے ہیں؟ اختلاف...... پارلیمنٹ کے اندر سالہا سال قانونی مسودوں پر حکومت اور اپوزیشن میں کیا بحث وتمحیص ہو رہی ہوتی ہے، اختلافی آرا کا اظہار...... ایک ہی مریض کی بیماری کے بارے میں تمام مصدقہ میڈیکل رپورٹوں کی روشنی میں بڑے بڑے ڈاکٹروں کی آرا میں اختلاف ہوتا ہے...... جب دو سائنس دانوں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو وہ اختلاف کو دور کرنے کے لیے ثبوت تلاش کرتے ہیں۔ جس کو ٹھوس اور واضح ثبوت مل جاتے ہیں، وہ راست قرار پاتا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دونوں غلطی پر ہو سکتے ہیں...... اور تو اور، تین چار دوست آپس میں چند لمحے بیٹھ کر گفتگو کرنے لگیں تو اختلاف واتفاق کی کئی صورتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ ہماری سماجی زندگی میں قدم قدم پر اختلاف کا پایا جانا ایک

ناقابل تردید و ناگزیر حقیقت ہے......غور کیجیے تو خود سماجی ارتقا بھی بڑی حد تک اختلاف کا مرہون منت ہے۔ اگر لوگ ایک ہی طرح سوچتے اور پہلے سے مروج موقف، نظریے اور فکر سے مختلف فکر، زاویہ نظر اور خیال کو نہ پیش کرتے تو انسان اتنی ترقی کبھی نہ کر پاتا......اصل بات یہ ہے کہ اختلاف مذہبی ہو یا دیگر نوعیت کا، ایک دوسرے کے گلے کاٹنے پر منتج نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے ان مسلکی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر سیکولر اور بے دین لوگ اپنے زہریلے پروپیگنڈے سے ہماری نوجوان نسل کی برین واشنگ کر رہے ہیں۔ یوں نوجوانوں کی اکثریت تیزی سے اسلام سے متنفر اور برگشتہ ہو رہی ہے۔ یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی شاید کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ نئی نسل پریشان ہے کہ **حی علی الصلوٰۃ** اور **حی علی الفلاح** کے بلاوے پر کس مسلک کی مسجد میں جائے جبکہ مساجد تو اللہ کے گھر ہیں۔ ہمارے اِس باہمی انتشار و خلفشار پر ابلیس شاداں و فرحاں ہے جبکہ حضور نبی کریم ﷺ بے حد افسردہ و رنجیدہ ہیں۔ کوئی ہے جو اس پر سوچے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں انہیں تلقین کرتے ہوئے خصوصی تاکید فرمائی: ''اپنے آپ کو فروعی اختلافات میں نہ الجھانا۔ اتحاد کی دعوت دیتے رہنا۔ مجھے امت کا ہر وہ شخص پسند ہے جو اتحاد کا داعی ہو۔''

رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں کہ اس امت کی بقا اس پر موقوف ہے کہ جو دل اللہ کی محبت میں اکٹھے ہوئے ہیں، ان کی آپس میں الفت و محبت قائم و دائم رہے، کیونکہ اگر ایک مرتبہ دلوں میں دوری اور کدورت پیدا ہو گئی تو یہ چیز امت کی تباہی و بربادی پر منتج ہو گی۔ اسی لیے آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو اختلاف برائے اختلاف سے باز رہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: **لاتختلفوا فتختلف قلوبکم** اختلاف برائے اختلاف سے بچو، ورنہ تمہارے دل بھی اختلاف و منافرت کا شکار ہو جائیں گے۔ صحابہ کرامؓ بھی یہ بات خوب جانتے تھے کہ اختلاف برائے اختلاف کا نتیجہ کبھی بھی بہتر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ شر ہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوتا صحابہ کرامؓ اختلاف سے بچنے کی کوشش کرتے اور ان کی یہ شدید کوشش ہوتی کہ اختلاف سرے سے پیدا ہی نہ ہو سکے۔ جب اختلاف کے معقول اسباب ہوتے (جیسے کسی سنت یا حدیث کے بارے میں معلومات میں کمی بیشی یا کسی نص کے فہم میں

اختلاف وغیرہ) تو وہ حدودِ اختلاف سے آگے نہ بڑھتے اور حق بات فوراً قبول کر لیتے اور اپنی غلطی کے اعتراف میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ صحابہ کرامؓ علم وفضل اور تفقہ کے حامل حضرات کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور کوئی اپنے مرتبے سے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ ہر ایک کا یہ خیال ہوتا کہ رائے ایک مشترکہ معاملہ ہے، ہوسکتا ہے کہ جو رائے اس نے اختیار کی ہے وہ درست ہو، جس کی وجہ سے اسے ترجیح دیتا ہے، البتہ وہ اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرتا کہ اس کے بھائی کی رائے جسے وہ مرجوح (کم زور) سمجھ رہا ہے، ممکن ہے وہی صحیح ہو۔ وہ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کو، جس کے بغیر دین کا قیام ممکن نہیں، اسلام کی اہم بنیاد سمجھتے تھے اور اسے اجتہادی مسائل میں اتفاق واختلاف سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان بھی تقریباً سو مسائل میں اختلاف تھا لیکن اس اختلاف کی وجہ سے انہوں نے کبھی ایک دوسرے کو گمراہ، کافر اور دین سے خارج نہیں کہا بلکہ جتنا ان کے درمیان اختلاف ہوتا تھا، اتنی ہی یہ ایک دوسرے کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ مسلم بن یسار فرماتے ہیں کہ لڑائی جھگڑے سے دور رہا کرو، کیونکہ یہی وہ لمحہ ہے جب عالم جاہل بن جاتا ہے اور اسی موقع پر شیطان اس کو اچکنے کا موقع ڈھونڈ لیتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''ہم نے کسی فقیہ کو جھگڑتے ہوئے نہیں دیکھا''۔ مزید فرماتے ہیں: ''مومن مدارات سے کام لیتا ہے جھگڑا نہیں کرتا، اس کی زبان سے حکمت کے موتی نکلتے ہیں، اگر قبول ہو جائیں تو الحمدللہ! اگر رد ہو جائیں تو بھی الحمدللہ''۔ محمد بن الحسین فرماتے ہیں: حکما کے نزدیک جھگڑوں کی کثرت سے بھائیوں کے دل بدل جاتے ہیں، الفت جدائی میں اور محبت نفرت میں بدلنے لگتی ہے۔ بقول شخصے: ''نصف ارب سے زیادہ تعداد والی برادری مسلمانوں میں جو اہل سنت والجماعت کے نام سے پائی جاتی ہے، اس میں شک نہیں کہ بعض علاقوں کے مسلمان حنفی کہلاتے ہیں اور بعض کے شافعی، ان میں کچھ مالکی کے نام سے موسوم ہیں اور ان ہی میں بعضوں کو حنبلی بھی کہتے ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ صرف نام ہی کا یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ ان چاروں طبقات کی فقہ میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں اور کافی اختلافات، لیکن سوال یہ ہے کہ ان اختلافات کی بنیاد پر مسلمانوں کے ایک مسلک نے اپنے دین کو کیا دوسرے مسلک کے

دین سے کبھی کسی زمانہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی جدا کیا یا جدا سمجھا ہے؟ خود ان بزرگوں کے باہمی تعلقات اور ان کے احترامی حسن سلوک سے جو ناواقف ہیں، وہ نہیں جانتے کہ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے تلمیذ رشید تھے یا احمد بن حنبلؒ امام شافعی کی رکاب تھام کر بغداد کے بازاروں میں گھومتے تھے۔ امام شافعیؒ نے ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی سے کتنا سیکھا اور کیا کیا سیکھا، امام ابوحنیفہؒ کے مرقد انور پر پہنچ کر امام شافعی نے کیا کیا تھا۔ ان ناواقفوں کو کم از کم اس کا تو اندازہ کرنا چاہیے کہ حنفی مسلمان جب امام شافعی کا ذکر کرتا ہے تو امام ہی کے لفظ سے ان کا ذکر کرتا ہے۔ امام مالک کا نام امام کے لفظ بغیر بول ہی نہیں سکتا، امام احمد حنبل کی داستان صبر و ابتلا کو سن کر حنفی مسلمان بھی اسی قدر آب دیدہ ہو جاتا ہے، جتنا متاثر خود کوئی حنبلی مسلمان ہو سکتا ہے اور یہی کیا، کون نہیں جانتا کہ تمام حنفی مسلمانوں کے نزدیک خدا رسیدہ بزرگوں میں احترام کا جو مقام ایک حنبلی بزرگ کو حاصل ہے، یعنی غوث اعظم قطب الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وہ حنبلی تھے، یا حجۃ اسلام غزالی، فخر الاسلام رازی باوجود شافعی المذہب ہونے کے حنفیوں کے بھی مالکیوں کے بھی، حجۃ الاسلام ہیں، جلال الدین رومی حنفی ہونے کے باوجود سارے اسلامی طبقات میں مقبول ہیں، مجدد الف ثانی کو ہندوستان میں تو صرف حنفی مسلمان دین کا مجدد تسلیم کرتے ہیں، لیکن ہندوستان سے باہر نکل کر عراق میں، شام میں عرب میں لاکھوں، لاکھ کی تعداد میں شوافع مالکیہ حنابلہ حضرت مجددؒ کے ماننے والے آپ کو مل جائیں گے"۔

امام الاولیا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے کسی مرید کو خلافت عطا کر کے تبلیغ دین کے لیے بھیجنے لگے تو اسے اس بات کی وصیت فرمائی کہ خدائی اور نبوت کا دعویٰ مت کرنا۔ اس نے حیرت سے پوچھا: ''حضرت! سالہا سال تک آپ کی صحبت کا فیض پایا ہے۔ کیا اب بھی اس بات کا امکان ہے کہ میں خدائی اور نبوت کا دعویٰ کرنے لگوں گا؟ انہوں نے فرمایا: ''خدا وہ ہے کہ جو وہ کہہ دے، وہی اٹل ہو اور اس کے خلاف ممکن نہ ہو۔ پس جو انسان اپنی رائے کو یہ حیثیت دے کہ اس سے اختلاف ناممکن ہو تو اس سے بڑھ کر خدائی کا دعویٰ اور کیا ہوگا؟ اسی طرح نبی وہ ہے کہ جو بات وہ کہے، وہی سچ ہو اور اس میں جھوٹ کا احتمال نہ ہو، پس جو شخص اپنے قول کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ یہی سچ ہے اور اس

کے خلاف ممکن نہیں تو اس سے بڑھ کر نبوت کا دعویٰ اور کیا ہوگا۔“

اختلاف رائے کے باوجود خیر خواہی اور رواداری کی سب سے عمدہ مثال حضرت امام شافعیؒ کی ہے کہ آپ کو جب بغداد جانے کا موقع ملا اور بغداد میں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مزار کے قریب مسجد میں فجر کی نماز پڑھائی تو امام شافعیؒ نے اس میں قنوت نہیں پڑھی، حالانکہ امام شافعی کے نزدیک قنوت واجب ہے، اور یہ سب جانتے ہیں کہ شافعی حضرات واجب اور فرض کا فرق نہیں کرتے۔ ان کے ہاں فرض اور واجب ایک ہی قسم ہے، دونوں کا ایک ہی حکم ہے، گویا ان کے ہاں قنوت پڑھنا فرض ہے اور شافعیہ کے نزدیک اگر قنوت نہ پڑھی جائے تو فجر کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ امام شافعی کا نقطہ نظر تھا لیکن انہوں نے اس میں قنوت نہیں پڑھی اور یہ کہا کہ مجھے اس میں بڑی شرم و حیا آئی کہ امام ابوحنیفہؒ کے مزار کے قریب نماز پڑھوں اور ان کے نقطہ نظر کے خلاف کروں۔ اس کا مطلب ہے کہ امام شافعی جیسے آدمی یہ سمجھتے تھے کہ یہ فقہائے کرام کی اجتہادی آرا اس کا امکان رکھتی ہیں کہ مبنی بر خطا ہوں یا مبنی برصواب ہوں، اور اس پر اتنا اصرار کرنا کہ ان کو نصوص کا درجہ دینا، یہ دراصل نصوص کی اہمیت کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ جس چیز کے بارے میں شارع نے دوٹوک موقف اختیار کیا ہے، اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس میں مسلمانوں میں اختلاف نہ ہو اور جس چیز کے بارے میں شارع نے دوٹوک مؤقف اختیار نہیں کیا اور اس کو کھلا چھوڑا ہے تو اپنی رحمت کی وجہ سے کھلا چھوڑا ہے۔ کسی بھول چوک کی وجہ سے نہیں چھوڑا اور وہ اس لیے دلائل کے ساتھ اس کو اختیار کر سکتا ہے اور اس پر قائم بھی رہ سکتا ہے، اس پر عمل بھی کر سکتا ہے۔

مذکورہ واقعات پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہمارے اکابرین اور بزرگوں میں اختلاف رائے اور سیاسی مخالفت کے باوجود کس قدر رواداری پائی جاتی تھی اور وہ باہمی احترام اور عزت نفس کو کس قدر ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ انھوں نے اختلاف رائے کو کبھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ وہ عظیم المرتبت شخصیت تھے جن کی دور بینی اور نکتہ شناسی کی مثال صحابہ کرامؓ کے بعد کی تاریخ آج تک دکھانے سے قاصر ہے۔ ان کے جلیل القدر شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے مسائل کے استنباط میں اپنے استاد کی آرا سے بے تکلف اختلاف کیا۔ اسی

طرح امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے اور امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ کے شاگرد تھے۔ اس کے باوجود ان شخصیات نے مختلف مسائل میں ایک دوسرے سے مکمل اختلاف کیا۔ تمام تر اختلافات کے باوجود کسی ایک امام نے بھی دوسرے امام کی توہین یا تنقیص نہیں کی۔ انہوں نے انتہائی خلوص کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا۔ دوسروں کی رائے کو احترام کے ساتھ سنا اور اس کی تردید بھی احترام سے کی اور بعض اوقات اپنی رائے سے رجوع بھی کیا اور اپنی رائے کو چھوڑ کر دوسروں کی رائے کو ترجیح بھی دی۔ ان مخلصین نے کہیں بھی اپنی ذاتی رائے کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ ہمیں اختلافات کے ساتھ زندہ رہنے کا فن سیکھنا ہے۔ یہی ہماری آزمائش ہے اور اِسی میں ہماری بقا اور سلامتی ہے۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبین
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے؟

ملتِ اسلامیہ اپنی تاریخی شخصیات، اکابرین امت، فقہائے امت اور آئمہ تصوف پر آج تک ناز کرتی چلی آئی ہے۔ یہ سبھی بزرگ اپنے اپنے دور میں ایک دوسرے سے مختلف نقطۂ نظر رکھنے والے تھے لیکن اِن سب کا احترام امت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ سلسلہ تصوف میں قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، اویسیہ وغیرہ معروف سلاسل ہیں۔ ان سلاسل کے ایک دوسرے سے کئی اختلافات ہیں مگر ان کے بزرگوں کا احترام ہر مسلمان کرتا ہے۔ کوئی سلسلہ کسی دوسرے سلسلہ کی توہین و تضحیک نہیں کرتا، کسی دوسرے بزرگ کی پگڑی نہیں اچھالتا۔ یہی وہ طرزِ عمل ہے جس سے پورا معاشرہ امن و محبت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

قارئین کرام! یہاں ایک بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ امام اولیا، غوث اعظم، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوبِ سبحانیؒ کے عقیدت مند پوری دنیا بالخصوص پاکستان بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اِن کی اکثریت کا تعلق حنفی مسلک سے ہے۔ آپؒ کا وصال مبارک 11 ربیع الثانی 561ھ کو ہوا۔ اِس دن کی مناسبت سے حضرت شیخؒ سے عقیدت رکھنے والے ہر ماہ باقاعدگی سے ''گیارہویں شریف'' کا ختم دلاتے ہیں اور کھانے پینے کا سامان غریبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ہر سال 11 ربیع الثانی کو جلوس نکالتے ہیں اور بڑی بڑی کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کرواتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مسلک کے پیروکار تھے۔ آپ اپنی کتابوں خصوصاً ''غنیۃ الطالبین'' میں جابجا اُنہی کے حوالے دیتے ہیں اور اکثر جگہ حضرت امام حنبلؒ کو ''ہمارے امام'' کے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے

کہ حنبلی مسلک میں نماز سمیت دیگر عبادات کا طریقہ کار حنفی مسلک سے قدرے مختلف ہے۔

پاکستان میں مسلمانوں کے کئی مسالک ہیں۔ بعض اوقات ان مسالک کے لوگ معمولی اختلاف رائے پر آپس میں دست و گریبان ہو جاتے ہیں۔ بغیر کسی تحقیق کے ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگا کر باہمی نفرتوں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی کا مفہوم ہے کہ ''جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں اور مختلف ٹولیوں میں بٹ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو گمراہ ہیں اور اپنی خواہشات کے بندے۔ ان کی توبہ قبول نہیں۔ میں اُن سے اور وہ مجھ سے بری ہیں۔'' اس تقسیم در تقسیم نے پاکستان کو قعر مذلت میں گرا دیا ہے۔ ان حالات میں اسلام سے سچی محبت رکھنے والا ہر شخص تڑپ اٹھتا ہے اور اتحاد امت کے لیے اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتا ہے۔ یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک ایک ادا کو قیامت تک محفوظ رکھنا ہے۔ ہر مسلک نے اپنے علم و فہم کے مطابق قرآن و حدیث سے استنباط کر کے آپ ﷺ کی مختلف اداؤں کو اپنایا ہوا ہے اور یہ سارے راستے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں محبت رسول ﷺ کی شاہراہ سے گزرتے ہوئے اُخروی نجات اور جنت کی طرف جاتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ خطبات بہاولپور میں رقمطراز ہیں کہ ''اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کی تمام ادائیں اور طریقے محبوب تھے، اس لیے ان کے تمام طریقوں کو محفوظ کرنے اور معمول بنانے کے لیے مختلف مسالک بنا دیے تا کہ تمام طریقے محفوظ و مامون رہیں''۔ یاد رکھیے! اسلام فتویٰ سے نہیں، تقویٰ سے پھیلا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا: ''کوئی تمہاری راہ میں کانٹے بچھائے تو تم جواب میں کانٹے مت بچھاؤ، ورنہ دنیا میں کانٹے ہی کانٹے رہ جائیں گے اور پھولوں کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ اس لیے میں کانٹے چنتا ہوں، بچھاتا نہیں ہوں''۔ ایک مرتبہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں ان کے ایک عقیدت مند نے بطور نذر قینچی پیش کی تو آپؒ نے فرمایا: ''مجھے قینچی نہ دو میں کاٹنے والا نہیں ہوں، مجھے سوئی دو کہ میں جوڑنے والا ہوں''۔

ہمارے زوال کا اصل سبب آپس میں تفرقہ بازی اور گروہ بندی ہے۔ اسلام دشمن

طاقتوں کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے مختلف مسالک کے علمائے کرام کو آپس میں لڑوایا جائے تاکہ اِن کی قوت مضبوط نہ ہو سکے۔ اس سلسلہ میں اسلام دشمن طاقتیں غیر مرئی طریقے سے ہر قسم کے وسائل بروئے کار لاتی ہیں۔ چنانچہ جب مسالک کے درمیان نفرت و عداوت کی آگ بھڑکتی ہے تو اِن کے درمیان اتحاد و اتفاق ختم ہو جاتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے سر پٹھول پر اتر آتے ہیں۔ اِس صورت حال کا فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف نئے نئے فتنے سر اٹھانے لگتے ہیں جس میں سراسر نقصان صرف اسلام اور مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ کاش تفرقہ بازی کی تعلیم دینے والوں کو معلوم ہوتا کہ کسی کو مسلمان بنانا کتنی محنت، مشقت، ریاضت اور دلسوزی کا کام ہے اور پل بھر میں کسی کو کافر بنا دینا کتنی بڑی جسارت ہے۔ انسان کانپ اٹھتا ہے کہ حضرات انبیا و رسل علیہم السلام نے جانیں کھپا دیں لوگوں کو مسلمان بنانے میں اور ہم زبان کی ایک ہی حرکت سے لاکھوں مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ ابن انشاء نے لکھا تھا: ''دائروں کی کئی اقسام ہیں۔ ایک دائرہ اسلام کا بھی ہے۔ پہلے اس میں لوگوں کو داخل کیا جاتا تھا۔ اب عرصہ ہوا داخلہ بند ہے، صرف خارج کیا جاتا ہے''۔ کاش! ہم میں سے کسی نے اپنے کردار، اخلاق، علم، عمل اور محبت کے ساتھ کسی غیر مسلم کو حلقہ بگوش اسلام کیا ہوتا تو ہمیں اُس کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا۔ فرقہ واریت کا ناسور ہمارے معاشرے میں کس قدر سرایت کر چکا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج کا مسلمان...... خود کو مسلمان کہلوانے کے بجائے اپنے مسلک کو ترجیح دیتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے حالانکہ قرآن مجید نے ہمارا نام مسلمان رکھا ہے۔ افسوس! فرقہ واریت کا کینسر آج غیر مسلموں کے اسلام میں داخلے کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

ہندو ازم چھوڑ کر دین اسلام قبول کرنے والے معروف سکالر، دانشور اور مجاہد اسلام جناب غازی احمدؒ (سابق کرشن لعل) کے حالاتِ زندگی نہایت ایمان افروز اور عزیمت سے بھرپور ہیں۔ ان کا تعلق میانی بوچھال کلاں ضلع چکوال سے تھا۔ انہیں یہ اعزاز اور سعادت حاصل ہے کہ انہوں نے عالم رؤیا میں سید المرسلین، حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے مبارک سینے سے لگایا اور نہایت شفقت فرمائی۔ وہ اپنے ہر خطاب میں عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ فتنۂ قادیانیت کا رد بھی کرتے۔ آیئے! ایک دلخراش واقعہ ان کی زبانی سنتے ہیں:

''ایک دفعہ مجھے ملتان سے ایک نو مسلم عیسائی کا خط موصول ہوا جس میں اُس نے لکھا

کہ وہ میری کتاب ''من الظلمات الی النور، کفر کے اندھیروں سے نورِ اسلام تک'' پڑھ کر مسلمان ہو گیا ہے لیکن اب پریشانی یہ ہے کہ مجھے کس مسلک میں جانا چاہیے کیونکہ ہر مسلک دوسرے کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج گردانتا ہے۔ میں اُس کا خط پڑھ کر شدید صدمے میں مبتلا ہوا۔ کچھ دنوں بعد ملتان میں اپنے ایک دوست کو خط لکھ کر اس نومسلم سے رابطہ کرنے کو کہا جس نے جواب میں دل ہلا دینے والی بات بتائی کہ وہ نومسلم مسلمانوں کے مختلف مسالک کی آپس میں لڑائی سے دلبرداشتہ ہو کر واپس عیسائی ہو گیا ہے۔ اس بات سے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ میں تمام علمائے کرام سے پوچھتا ہوں کہ خدارا بتایا جائے کہ اس نقصان کا ذمہ دار کون ہے؟

شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے!

یہ بات نہایت اہم ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں میں جو مابہ الامتیاز ہے، وہ اتنا نمایاں، اتنا اہم اور بنیادی ہے کہ اس کے مقابلے میں جو مابہ الاختلاف ہے، وہ بہت ہی برائے نام، بہت سطحی اور بہت فروعی قسم کا ہے، یعنی دنیا کے تمام مسلمان، قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر متفق ہیں، تمام دنیا کے مسلمان، رسول اللہ ﷺ کے عبدہ رسولہ ہونے پر متفق ہیں، دنیا کے تمام مسلمان عقیدہ ختم نبوت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمان، رسول اللہ ﷺ کی سنت کو واجب التعمیل مانتے ہیں، ضروریات دین جو قرآن وسنت سے ثابت ہیں، اس پر تمام مسلمان متفق اللفظ ہیں کہ نمازیں پانچ ہیں اور اسلام کے پانچ ارکان ہیں وغیرہ ان کے مابین جو اختلاف ہے، وہ صرف تفصیلات میں ہے۔ کافی عرصے کی بات ہے، مشہور بزرگ، دانشور اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ جو پیرس میں رہتے تھے، وہیں ان کا انتقال ہوا۔ انہوں نے بیان کیا کہ ایک عرب نوجوان، ایک دوسرے عرب نوجوان کو ان کے پاس لے کر آیا اور کہا کہ صاحب یہ میرا دوست ہے، میں اس کو لے کر آیا ہوں، یہ اسلام سے مرتد ہونا چاہتا ہے اور اس نے کئی بار کہا ہے کہ میں اسلام چھوڑ کر عیسائی ہونا چاہتا ہوں، میں نے کہا کہ تم حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ڈاکٹر صاحب سے تبادلہ خیال کرلو، تو میں اسے تبادلۂ خیال کے لیے لایا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ بھئی کیا بات ہے، اسلام سے کیوں برگشتہ ہو؟ کیوں چھوڑنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ اسلام میں بہت زیادہ فرقے ہیں، بڑے اختلاف ہیں، آپس میں مسلمان کسی ایک نکتے پہ جمع نہیں ہوتے، اس لیے میں اسلام سے ہٹنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پھر اسلام چھوڑ کر کس مذہب

میں جانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: عیسائی ہونا چاہتا ہوں تو ڈاکٹر صاحب نے کہا: عجیب بات یہ ہے کہ تمہیں شاید عیسائیت کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔ اس پیرس شہر میں، پوری دنیا کی بات نہیں، پورے یورپ کی بات نہیں، پورے فرانس کی بات نہیں، صرف پیرس شہر کی بات کرتا ہوں، صرف پیرس میں عیسائیوں کے ایک سو آٹھ فرقے موجود ہیں اور وہ فرقے ایسے ہیں کہ ان کے الگ الگ چرچ ہیں، الگ الگ ان کے پادری ہیں، ایک پادری، دوسرے فرقے کے عیسائی کو رہ نمائی نہیں دے سکتا، ایک فرقے کا عیسائی دوسرے فرقے کے چرچ میں نہیں جا سکتا، ایک فرقے کا عیسائی دوسرے فرقے کی مذہبی کتابیں نہیں پڑھتا۔ بائبل کی تشریحات اور تفصیلات، جو ایک فرقے نے کی ہیں، وہ دوسرے فرقے کا آدمی نہیں پڑھتا، تو تم پہلے یہ طے کرو کہ ان 108 فرقوں میں سے کس فرقے میں جانا چاہتے ہو؟ اور کیا اسلام میں 108 سے بھی زیادہ فرقے ہیں؟ بہرحال خلاصہ یہ کہ اس کی تسلی ہوگئی اور وہ اسلام پر قائم ہوگیا، لیکن بتانے کا مقصد ہے کہ عیسائیت میں، جس کے بارے میں عام طور پر تاثر یہ ہے کہ دو یا تین سے زیادہ فرقے نہیں، اس میں بھی سیکڑوں فرقے وہ ہیں، جو اس وقت موجود ہیں اور خود ہمارے پاکستان میں، جو عیسائی موجود ہیں، ان میں درجنوں فرقے موجود ہیں، اگر سیکڑوں نہیں تو درجنوں تو لازمی ہیں۔

ہندو ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان میں رہتے ہیں۔ ہندوؤں کے بارے میں عام طور پر تاثر یہ ہے کہ ہندوؤں میں کوئی فرقہ نہیں ہوتا، بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ہندوؤں میں کوئی فرقہ نہیں ہوتا اور ہندو ساری کی ساری ایک قوم ہے۔ یہ ہندوازم اور ہندومت سے انتہائی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ ہندومت میں اتنے فرقے اور اتنے متعارض نقطہ نظر موجود ہیں کہ دنیا کے کسی مذہب، کسی فلسفے، کسی ثقافت، کسی تمدن میں شاید نہ ہوں اور وہ ایک دوسرے سے اتنے زیادہ متصادم ہیں، اتنے زیادہ ایک دوسرے سے متعارض نظریات رکھتے ہیں کہ محققین کے لیے بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ ہندومت کی کوئی جامع تعریف کرسکیں۔ ہندومت کی آج تک کوئی جامع تعریف اس لیے نہیں ہوسکی کہ جامع تعریف کے لیے ضروری ہے کہ سارے ہندوؤں کے فرقے اس تعریف میں شامل ہوجائیں، یعنی وہ تعریف جامع بھی ہو اور مانع بھی ہو۔ جامع مانع تعریف ہندوازم کی آج تک نہیں ہوسکی۔ ہندوازم میں وہ فرقے بھی ہیں، جو گائے کو دیوتا مانتے ہیں، وہ فرقے بھی ہیں، جو گائے کو ناپاک سمجھتے ہیں، ہندوازم میں وہ فرقے بھی ہیں، جو وید کو اللہ کا کلام مانتے ہیں، وہ بھی ہیں جو وید کو افسانہ سمجھتے ہیں، ہندوازم میں وہ لوگ

بھی ہیں (جوان کے مشہور تین دیوتا ہیں، جن کی مورتی کو آپ نے ہندوستان کے ڈاک کے ٹکٹوں پر دیکھا ہوگا، شیر کی شکل ہے، اس کے تین منہ ہیں، ایک ادھر، ادھر اور ایک سامنے) جو تری مورتی کو گردن زدنی سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہیں، جو تری مورتی کو دیوتا سمجھتے ہیں۔ یعنی بالکل ایک دوسرے سے متعارض نظریات ہندو ازم میں موجود ہیں اور اتنے کہ سیکڑوں نہیں، ہزاروں، بلکہ لاکھوں فرقے اور لاکھوں مذہبی نقطہ نظر ان میں موجود ہیں۔ 1921ء کی ہندوستانی مردم شماری میں مختلف مذاہب کے بارے میں الگ الگ بریف دیا ہوا ہے۔ اس میں ہندو ازم کے بارے میں جو بریف دیا ہے، اس میں آپ ہندو ازم کی تعریف پڑھ کے دیکھیں تو بڑی دلچسپ تعریف ہے، اس لیے کہ لکھنے والے نے اس پر لکھا ہے کہ اس کے علاوہ ہندو ازم کی کوئی تعریف نہیں ہوسکتی، ہندو ازم کی تعریف اس نے اس طرح کی کہ ہندو ازم وہ ہے جو ہندو اصلاً ہندوستان کا رہنے والا ہو، یعنی کہیں باہر سے آ کر نہ بسا ہو، اصلاً ہندوستان کا رہنے والا ہو اور نہ مسلمان ہو، نہ عیسائی ہو، نہ سکھ ہو اور نہ یہودی ہو، جو یہ نہیں ہے اور ہندوستان کا رہنے والا ہے، وہ ہندو ہے۔ اب آپ یہ سمجھئے کہ اس تعریف کی رو سے کوئی عقیدہ، کوئی نظریہ، کوئی مذہبی خیال، کوئی مذہبی تصور، یہ سب غیر متعلق ہے، اس لیے کہ اتنا متعارض اور اتنا متصادم کہ اس کو کسی ایک تعریف کے دائرے میں لایا نہیں جا سکتا۔ بدقسمتی سے فرقہ بندی کا یا فرقہ واریت کا تصور بھی مسلمانوں میں پیدا ہو گیا اور مسلمانوں کے اختلافات نے اس تصور کو زیادہ ہوا دی ہے اور زیادہ گہرا کیا ہے جو گزشتہ ڈیڑھ دو سو سال کے زمانے میں ہوئے۔ اسلام میں کبھی بھی کوئی فرقہ نہیں رہا اور نہ فرقے مسلمانوں میں کبھی پائے گئے، اگر فرقے سے وہ مراد لیا جائے جو عیسائیوں میں پایا جاتا ہے یا فرقے سے مراد وہ چیز لی جائے، جو ہندوؤں میں پائی جاتی ہے تو اس اعتبار سے مسلمانوں میں فرقے نہیں ہیں، یعنی مسلمان جتنے بھی نقطہ نظر کے حامل ہوں، وہ کسی خاص فقہی مسلک کے پیروکار ہوں، یا کسی خاص کلامی مسلک کے پیرو ہوں، یا روحانی طور پر کسی خاص مسلک کے حامل ہوں، یا کسی اور اعتبار سے ان کے خیالات اور ان کے نظریات میں فرق پایا جاتا ہو، لیکن جو ان کے کلیات، بنیادی اصول اور بنیادی ماخذ ہیں، ان میں سب مسلمان آپس میں متفق اللفظ اور متحد الکلمہ ہیں۔ یہ بات کسی اور فرقے میں، کسی اور قوم کے فرقوں میں نہیں پائی جاتی، ہندوؤں میں تو بالکل نہیں پائی جاتی، حتیٰ کہ عیسائیوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ عیسائیوں کے فرقوں میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو حضرت عیسیٰؑ کو واقعی نبی مانتے ہیں اور اللہ کا بیٹا بھی نہیں کہتے اور ایسے لوگ بھی ہیں، جو انہیں اللہ کا

بیٹا کہتے ہیں، اسی طرح سے اور بے شمار اختلافات ہیں، حتیٰ کہ بائبلوں کے بارے میں بھی خوب اختلافات ہیں، کچھ فرقے ہیں جو ان چار بائبلوں کو مانتے ہیں، کچھ فرقے ہیں جو ان چار بائبلوں کو جھوٹا مانتے ہیں تو اس لیے خود بائبل، حضرت عیسیٰؑ کی ذات، عیسائیت کے بنیادی عقائد، کسی چیز میں بھی دنیا کے سارے عیسائی متفق نہیں ہیں۔ اس لیے یہ بالکل غلط بات ہے کہ ہم کہیں کہ جس طرح سے عیسائیت میں فرقے ہیں، ہندوازم یا دوسری اقوام میں فرقے ہیں، اس طرح کے فرقے مسلمانوں میں بھی ہیں۔

دین اسلام کی سربلندی کے لیے ہر فرد اپنا کلیدی کردار نبھا سکتا ہے تاہم شرط یہ کہ وہ نگہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز رکھنے کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی اصولوں سے بھی واقف ہو۔ یہ تقریباً 1957ء کی بات ہے کہ فرانس میں کہیں ایک رہائشی عمارت کی نکڑ میں ترکی کے ایک پچاس سالہ بوڑھے آدمی نے چھوٹی سی دکان بنا رکھی تھی۔ اردگرد کے لوگ اس بوڑھے کو ''انکل ابراہیم'' کے نام سے جانتے اور پکارتے تھے۔ انکل ابراہیم کی دکان میں چھوٹی موٹی گھریلو ضروریات کی اشیاء کے علاوہ بچوں کے لیے چاکلیٹ، آئسکریم اور گولیاں، ٹافیاں دستیاب تھیں۔ اسی عمارت کی ایک منزل پر ایک یہودی خاندان آباد تھا جن کا ایک سات سالہ بچہ (جاد) تھا۔ جاد تقریباً روزانہ ہی انکل ابراہیم کی دکان پر گھر کی چھوٹی موٹی ضروریات خریدنے کے لیے آتا تھا۔ دکان سے جاتے ہوئے انکل ابراہیم کو کسی اور کام میں مشغول پا کر جاد نے کبھی بھی ایک چاکلیٹ چوری کرنا نہ بھولی تھی، ایک بار جاد دکان سے جاتے ہوئے چاکلیٹ چوری کرنا بھول گیا۔ انکل ابراہیم نے جاد کو پیچھے سے آواز دیتے ہوئے کہا: ''جاد...... ! آج چاکلیٹ نہیں اٹھاؤ گے کیا......؟'' انکل ابراہیم نے یہ بات محبت میں کی تھی یا دوستی سے مگر جاد کے لیے ایک صدمے سے بڑھ کر تھی۔ جاد آج تک یہی سمجھتا تھا کہ اس کی چوری ایک راز تھی مگر معاملہ اس کے برعکس تھا۔ جاد نے گڑگڑاتے ہوئے انکل ابراہیم سے کہا: ''آپ اگر مجھے معاف کر دیں، تو آئندہ کبھی بھی چوری نہیں کروں گا'' مگر انکل ابراہیم نے جاد سے کہا: ''اگر تم وعدہ کرو کہ اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی کی چوری نہیں کرو گے تو روزانہ کا ایک چاکلیٹ میری طرف سے تمہارا ہوا، روزانہ دکان سے جاتے ہوئے لے جایا کرنا'' اور بالآخر اسی بات پر جاد اور انکل کا اتفاق ہو گیا...... ! وقت گزرتا گیا اور اس یہودی بچے جاد اور انکل ابراہیم کی محبت گہری سے گہری ہوتی چلی گئی۔ بلکہ ایسا ہو گیا کہ انکل ابراہیم ہی جاد کے لیے باپ، ماں اور دوست کا درجہ اختیار کر چکا تھا۔ جاد کو جب کبھی

کسی مسئلے کا سامنا ہوتا یا پریشانی ہوتی تو انکل ابراہیم سے ہی کہتا، ایسے میں انکل میز کی دراز سے ایک کتاب نکالتے اور جاد سے کہتے کہ کتاب کو کہیں سے بھی کھول کر دو۔ جاد کتاب کھولتا اور انکل وہیں سے دو صفحے پڑھتے، جاد کو مسئلے کا حل بتاتے، جاد کا دل اطمینان پاتا اور وہ گھر کو چلا جاتا......! اور اسی طرح ایک کے بعد ایک کرتے سترہ سال گزر گئے۔ سترہ سال کے بعد جب جاد چوبیس سال کا ایک نوجوان بنا تو انکل ابرہیم بھی اس حساب سے سڑسٹھ سال کے ہو چکے تھے۔ داعیٔ اجل کا بلاوا آیا اور انکل ابراہیم وفات پا گئے......! انہوں نے اپنے بیٹوں کے پاس جاد کے لیے ایک صندوقچی چھوڑی تھی، ان کی وصیت تھی کہ: ''اس کے مرنے کے بعد یہ صندوقچی اس یہودی نوجوان جاد کو تحفہ میں دے دی جائے......!'' جاد کو جب انکل کے بیٹوں نے صندوقچی دی اور اپنے والد کے مرنے کا بتایا تو جاد بہت غمگین ہوا، کیونکہ انکل ہی تو اسکے غمگسار اور مونس تھے۔ جاد نے صندوقچی کھول کر دیکھی تو اندر وہی کتاب تھی جسے کھول کر وہ انکل کو دیا کرتا تھا......! جاد، انکل کی نشانی گھر میں رکھ کر دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ مگر ایک دن اُسے کسی پریشانی نے آگھیرا، '' آج انکل ہوتے تو وہ اُسے کتاب کھول کر دو صفحے پڑھتے اور مسئلے کا حل سامنے آجاتا'' جاد کے ذہن میں انکل کا خیال آیا اور اُس کے آنسو نکل آئے......!'' کیوں ناں آج میں خود کوشش کروں......!'' کتاب کھولتے ہوئے وہ اپنے آپ سے مخاطب ہوا، لیکن کتاب کی زبان اور لکھائی اُس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ کتاب اُٹھا کر اپنے تیونسی عرب دوست کے پاس گیا اور اُسے کہا کہ: ''مجھے اس میں سے دو صفحے پڑھ کر سناؤ'' مطلب پوچھا اور اپنے مسئلے کا اپنے تئیں حل نکالا۔ واپس جانے سے پہلے اُس نے اپنے دوست سے پوچھا: ''یہ کیسی کتاب ہے......؟'' تیونسی نے کہا: ''یہ ہم مسلمانوں کی کتاب قرآن ہے......!'' جاد نے پوچھا: ''مسلمان کیسے بنتے ہیں......؟'' تیونسی نے کہا: ''کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اور پھر شریعت پر عمل کرتے ہیں......!'' جاد نے کہا: ''تو پھر کلمہ پڑھاؤ۔ تیونسی دوست نے اُسے کلمہ پڑھایا۔ **لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**، یوں جاد مسلمان ہو گیا اور اپنے لیے'' جاداللہ القرآنی'' کا نام پسند کیا۔ نام کا اختیار اس کی قرآن سے والہانہ محبت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ جاداللہ نے قرآن کی تعلیم حاصل کی، دین کو سمجھا اور اور اس کی تبلیغ شروع کی......! یورپ میں اس کے ہاتھ پر چھ ہزار سے زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ایک دن پرانے کاغذات دیکھتے ہوئے جاداللہ کو انکل ابراہیم کے دیئے ہوئے قرآن میں دنیا کا ایک نقشہ نظر آیا جس میں براعظم افریقہ کے ارد گرد لکیر کھینچی ہوئی تھی اور انکل

کے دستخط کیے ہوئے تھے۔ ساتھ میں انکل کے ہاتھ سے ہی یہ آیت کریمہ لکھی ہوئی تھی: ''اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ......!'' جاد اللہ کو ایسا لگا جیسے یہ انکل کی اس کے لیے وصیت ہو۔ جاد اللہ نے اسی وقت اس وصیت پر عمل کرنے کی ٹھانی، اور ساتھ ہی جاد اللہ نے یورپ کو خیر باد کہہ کر کینیا، سوڈان، یوگنڈہ اور اس کے آس پاس کے ممالک کو اپنا مسکن بنایا، دعوت حق کے لیے ہر مشکل اور پرخطر راستے پر چلنے سے نہ ہچکچایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں ساٹھ لاکھ انسانوں کو دین اسلام کی روشنی سے نوازا......! جاد اللہ نے افریقہ کے کٹھن ماحول میں اپنی زندگی کے تیس سال گزار دیے۔ 2003ء میں افریقہ میں پائی جانے والی بیماریوں میں گھِر کر محض چوون (54) سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی کو جا ملے......! جاد اللہ کی محنت کے ثمرات ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہے۔ وفات کے ٹھیک دو سال بعد ان کی ماں نے ستر سال کی عمر میں اسلام قبول کیا......! جاد اللہ اکثر کہا کرتے تھے کہ انکل ابراہیم نے اس کے سترہ سالوں میں کبھی بھی اسے غیر مسلم محسوس نہیں ہونے دیا اور نہ ہی کبھی کہا کہ اسلام قبول کر لو۔ مگر اس کا رویہ ایسا تھا کہ جاد کا اسلام قبول کیئے بغیر چارہ نہ تھا......! آپ کے سامنے اس واقعے کے بیان کرنے کا فقط اتنا مقصد ہے کہ کیا مجھ سمیت ہم میں سے کسی مسلمان کا اخلاق و عادات و اطوار و کردار ''انکل ابراہیم'' جیسا ہے کہ کوئی غیر مسلم جاد ہم سے متاثر ہو کر جاد اللہ القرآنی'' بن کر دین اسلام کی اس عمدہ طریقے سے خدمت کر سکے......

علما کرام و مشائخ عظام سے درخواست ہے کہ وہ تحفظ ختم نبوت کی خاطر اتحاد امت کے لیے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالیں۔ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کے لیے خلوص و یگانگت کا اظہار کریں۔ اختلافی مسائل سے اجتناب کیا جائے۔ کسی فروعی مسئلہ کو اتنا کا مسئلہ نہ بنایا جائے۔ ''اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ''! کے اصول پر عمل کیا جائے۔ مسلمانوں کی تکفیر سے گریز کیا جائے۔ زبان اور قلم سے کوئی ناشائستہ اور دل آزار جملہ نہ ادا کیا جائے۔ دینی مدارس کے مہتمم حضرات، مسالک کے خلاف منافرت کے پھیلانے کے رجحان کو سختی سے روکیں۔ مسلک کی تنگ نظر چار دیواری کو توڑ کر قرآن کی تعلیم ''انما المومنون اخوۃ'' کا عملی ثبوت پیش کیا جائے:

؎ فرد قائم ربط ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں، اور بیرون دریا کچھ نہیں

گولڑہ شریف (راولپنڈی) کی سرزمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ ایسی نابغہ عصر ہستی کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور و معروف ہے۔ حضرت پیر صاحبؒ کو قدرت نے تحفظ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے بطور خاص تیار کیا تھا۔ آپ نے اس سلسلہ میں بے حد علمی اور عملی جدوجہد کی جس کی وجہ سے کروڑوں مسلمان قادیانیت کے ارتداد کا شکار ہونے سے بچ گئے۔ آپ کی یہ خدمت تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ حضرت پیر صاحب اتحاد بین المسلمین کے زبردست داعی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسالک کے لوگ اِن کا دلی احترام کرتے ہیں۔ 1900ء میں جھوٹے مدعی نبوت آنجہانی مرزا قادیانی نے حضرت پیر مہر علی شاہؒ کو مباحثہ کا چیلنج دیا تو آپ نے اِسے فوری قبول کرتے ہوئے (مرزا قادیانی کی شرائط پر) 25 اگست 1900ء کو لاہور آنے کا وعدہ کیا۔ جس پر مرزا قادیانی اور اُس کے پیروکاروں کو سانپ سونگھ گیا اور مباہلہ، مناظرہ اور مباحثہ سے راہِ فرار اختیار کر لی۔ مہر منیر (سوانح حیات حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ) میں لکھا ہے: ''اس معرکہ میں تمام اسلامی مسالک کے رہنما ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ سنی، اہل حدیث اور اہل قرآن کے علاوہ لاہور اور سیالکوٹ کے شیعہ مجتہدین نے بھی قادیانیت کے محاذ پر حضرت پیر صاحبؒ گولڑہ شریف کو اپنا سربراہ و نمائندہ ہونے کا اعلان کیا۔ بالکل وہی صورت حال پیدا ہوئی جو پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت ہندو کفر کے مقابلے میں اسلامی سیاسی پلیٹ فارم پر پیدا ہو گئی تھی اور یہی صورت آج سے تیرہ سو سال قبل قیصر روم کے اسلامی ممالک پر حملہ کے خطرہ کے وقت بھی پیدا ہوئی تھی۔ جب حضرت امیر معاویہؓ نے رومی سلطنت کو خبردار کیا تھا کہ اگر اندرونی اختلاف کے پیش نظر اسلامی سلطنت پر حملہ کیا گیا تو سب سے پہلا سپاہی جو حضرت علیؓ کے لشکر سے تمہارے مقابلہ کے لیے نکلے گا، وہ معاویہؓ بن ابوسفیانؓ ہوگا''۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ﷺ

چنانچہ پیر صاحب وعدہ کے مطابق 24 اگست 1900ء کو لاہور پہنچ گئے اور کئی دن مرزا قادیانی کا انتظار کرتے رہے مگر وہ نہ آیا۔ یوں چشم فلک نے ''**جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا**'' کا عظیم الشان نظارہ ملاحظہ کیا۔ 27 اگست کو بادشاہی مسجد لاہور میں حضرت پیر صاحبؒ کی صدارت میں مسلمانوں کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں تمام

مسالک کے علمائے کرام ومشائخ عظام نے شرکت کی۔ چنانچہ اِس عظیم الشان فتح کی یاد میں گولڑہ شریف میں ہر سال باقاعدگی سے ''عالمی خاتم النبیین کانفرنس'' منعقد ہوتی ہے جس میں ملک بھر سے تمام مسالک کے جید علما ومشائخ اور تمام سیاسی جماعتوں کے قائدین کو شرکت اور خطاب کی دعوت دی جاتی ہے۔ یہ اجتماع اتحاد بین المسلمین کا فقید المثال مظاہرہ ہوتا ہے۔ 114ویں سالانہ عالمی خاتم النبیین کانفرنس منعقدہ 25 اگست 2014ء بمقام گولڑہ شریف کے اعلامیہ میں کہا گیا: ''ہمیں تمام تر مسلکی فرقہ واریت، سیاسی اختلافات، گروہی ولسانی تعصبات کو ترک کر کے باطل قوتوں کے سامنے ملی وحدت کے ساتھ سینہ سپر ہونے کی ضرورت ہے''۔

جس طرح ملتے ہیں لب، نام محمد ﷺ کے سبب
کاش ہم مل جائیں سب، نام محمد ﷺ کے سبب

بعض شرپسند فرقہ باز جن کا روزگار صرف فرقہ واریت کے فروغ سے ہی وابستہ ہے، ایک وفد کی صورت میں سجادہ نشینان گولڑہ شریف کی خدمت میں حاضر ہوا اور کانفرنس میں مخالف مسالک کے علما ومشائخ اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کے خطابات پر شدید اعتراض کیا۔ گولڑہ شریف کے بزرگوں نے نہایت تحمل اور برداشت سے اُن کی بات سنی اور فرمایا کہ ہمارے اور دوسرے مسالک کے درمیان فروعی اختلافات موجود ہیں اور شاید ہمیشہ موجود رہیں لیکن حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت اور عزت و ناموس کی خاطر تمام فروعی اختلافات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ختم نبوت کی حفاظت سب مسلمانوں کا اولین فریضہ ہے۔ معمولی اختلافات کی خاطر سب سے بڑے مقدس مشن کو نہیں چھوڑا جا سکتا ورنہ منکرین ختم نبوت قادیانیوں کو اپنی مذموم سرگرمیوں کے لیے کھلا میدان مل جائے گا اور گمراہی وارتداد کا ایک نیا دروازہ کھل جائے گا۔ اس پر فرقہ باز گروہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور اب یہ لوگ اپنے جلسے جلوسوں میں گولڑہ شریف کے پیر صاحبان کے متعلق اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں:

تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تیری آرزو بدل جائے!

ابن ماجہ کی روایت حضرت انس بن مالکؓ سے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک کچھ لوگ خیر کے حق میں کنجی ہیں اور شر کے حق میں تالا ہیں اور کچھ لوگ خیر کے لیے تالا ہیں اور شر کے لیے کنجی ہیں، تو اس شخص کے لیے خوش خبری ہے جس کے ہاتھ پر اللہ نے

خیر کی کنجی رکھی ہے اور بربادی ہے اس شخص کے لیے جس کے ہاتھ میں شر کی کنجی اللہ نے دی"۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مذہب کے نام پر منبر ومحراب سے تفرقہ بازی کا درس دینے والے نام نہاد علما جب امن کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے گورنر، وزیر اعلیٰ، ڈی سی یا ڈی پی او کے دفتر میں جمع ہوتے ہیں تو سب اپنے اپنے اختلافات بھلا کر آپس میں شیر وشکر ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مصافحہ بلکہ معانقہ کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں کے بچھڑے ہوئے بھائی اب ملے ہیں۔ ایک ہی میز کے اردگرد بیٹھ کر سب مل کر چائے پیتے اور ایک دوسرے کو بسکٹ پیش کرتے ہیں۔ اپنی اپنی تقاریر میں پر جوش انداز میں امن وامان اور مسلمانوں کے درمیان محبت واخوت اور اتفاق و یگانگت کے فروغ کے لیے اپنی اپنی قیمتی تجاویز پیش کرتے ہیں۔ انتظامیہ کو مکمل تعاون کی یقین دہانی کراتے ہیں۔ ایسا ناقابل یقین منظر پیش ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان صاحبانِ جبہ ودستار میں کبھی دوری تھی نہ رنجش، سب ایک ہی فیملی کے ممبر معلوم ہوتے ہیں۔ یہی صورتحال رویت ہلال کمیٹیوں کے اجلاسوں میں ہوتی ہے۔......لیکن افسوس! صد افسوس!! جونہی یہ حضرات واپس اپنے اصل مقام پر پہنچتے ہیں تو پھر وہی پرانا گورکھ دھندا، وہی طعن وتشنیع، وہی تفرقہ بازی، وہی مسلکی مناقشات۔ کیا یہ مذہب کے نام پر جھوٹ، ملمع کاری اور منافقت کا مظاہرہ نہیں؟

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

ایک دوسرے کے بارے میں عموماً جو غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، ان کے ازالے کے لیے مختلف سطحوں پر باہمی رابطوں کا کام بہت اہم ہے۔ بالخصوص سماجی نوعیت کے رابطے جن میں کسی مذہبی معاملے کا حوالہ نہ ہو۔ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مدارس کے طلبہ کے درمیان کھیلوں کے میچز ہو جائیں، مشترکہ سیاحتی ٹورز ہو جائیں۔ دینی حوالے سے بھی مشترکہ نوعیت کی تقریبات منعقد ہو جائیں۔ مثلاً مشترکہ محافل قرأت، محافل نعت وغیرہ ہو جائیں۔ روابط ہمیشہ دلوں کی دوریاں دور کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مختلف مکاتب فکر کی اعلیٰ قیادت کی سطح پر تو رابطے بھی ہوتے ہیں، اکٹھے مل بیٹھنا بھی ہوتا ہے، ایک ٹیبل پر کھانا بھی ہوتا ہے، اصل ضرورت ان روابط کو نیچے کی سطح تک منتقل کرنے کی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک فائیو سٹار ہوٹل یا اعلیٰ ترین سرکاری عمارت کی ایک چھت کے نیچے مختلف مسالک کے لوگ اکٹھے ہو سکتے ہیں تو کسی شہر، قصبے کے مدرسے کی سادہ سی عمارت میں اگر اپنے طور پر اس طرح لوگ جمع

ہو جائیں تو اس سے مسلک پر حرف کیسے آ جائے گا؟ اگر اعلیٰ ترین ہوٹل یا اعلیٰ سطح کی سرکاری ضیافت میں ایک جگہ ایک ہی کھانا کھایا جا سکتا ہے تو کسی مدرسے یا مسجد وغیرہ میں اکٹھے بیٹھ کر دال روٹی کھانے سے کسی مسلکی پختگی میں کمی کیسے واقع ہو جائے گی؟ آج کل عملاً صورت حال یہ ہے کہ کسی مکتب فکر کا آدمی دوسرے کی مسجد میں نہیں جاتا، خود میرے محلے میں ہر مکتب فکر کی مسجد ہے، لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مکتب فکر کا آدمی دوسرے کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدیوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ دوسرے مسالک سے ہمارا اختلاف ہے اور اختلاف سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اپنے مخالفین سے نہیں ملتے۔ حالانکہ یہ کفر و اسلام کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ فروعی اختلاف ہے لیکن لفظ اختلاف نے اس اختلاف میں بے حد شدت بھر دی۔ یہی چیز اتحاد امت میں بڑی رکاوٹ ہے۔

دلیل تھی نہ کوئی حوالہ تھا ان کے پاس
عجیب لوگ تھے بس اختلاف رکھتے تھے

پاکستان میں منکرین ختم نبوت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق سب سے پہلے 1953ء میں تحریک ختم نبوت چلی جس کی قیادت حضرت مولانا سید ابو الحسنات شاہؒ نے کی جبکہ امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ وغیرہ نے اُن کی قیادت وصدارت میں بھرپور کام کیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے فرزند ارجمند سید غلام محی الدین شاہؒ المعروف ''بابو جی'' 1953ء کی تحریک میں تمام مسالک کی یکجہتی کے لیے مجلس مشاورت کے ایک اہم ترین اجلاس میں لاہور تشریف لائے۔ تمام مسالک کے علماء نے آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔ یہ حضرت بابو جیؒ ہی کا فیضان تھا کہ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر جو بعض فروعی جھمیلوں کے باعث کبھی اکٹھا نہ ہوتے تھے، اس تحریک میں اکٹھے ہو کر قادیانیت سے ٹکرا گئے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ اس تحریک میں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث ایک ہو کر قادیانیت کے خلاف متحد العمل ہوئے۔ اِسی طرح 1974ء کی تحریک ختم نبوت جس کے نتیجہ میں ملک کی منتخب اسمبلی نے قادیانیوں کو متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا، اس کی قیادت حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے کی جبکہ حضرت علامہ سید محمود احمد رضویؒ، حضرت میاں جمیل احمد شرقپوریؒ اور مولانا عبدالقادر روپڑیؒ وغیرہ نے ان کی قیادت و صدارت میں بھرپور کام کیا۔ اِسی طرح 1984ء میں جب تحریک ختم نبوت چلی جس کے نتیجہ

میں قادیانیوں کو خود کو مسلمان کہنے، اپنے مذہب کو اسلام کہنے اور شعائر اسلامی استعمال کرنے سے قانونی طور پر روک دیا گیا۔ اُس کی قیادت شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمدؒ نے کی جبکہ مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازیؒ نے اُن کی قیادت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ قائد اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد نورانیؒ ہر سال ختم نبوت کانفرنس چناب نگر (ربوہ) میں خطاب کے لیے تشریف لاتے جس سے قادیانیوں کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی۔ یہ سب کچھ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر اُس وقت تک کامیابی حاصل نہیں ہوگی جب تک مسلمان اپنے تمام تر اختلافات بھلا کر متحد و متفق نہ ہوں گے:

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

ملت اسلامیہ کے بدترین دشمنوں میں سے قادیانی جماعت ایک خطرناک سازشی سیاسی گروہ ہے۔ قادیانیوں کا بھارت، اسرائیل اور امریکہ سے براہِ راست رابطہ ہے۔ وہاں ان کے مشن قائم ہیں جہاں سے وہ باقاعدہ ٹریننگ حاصل کر کے پاکستان میں دہشت گردی پھیلاتے ہیں۔ عرصہ ہوا قادیانی جماعت کے چوتھے سربراہ مرزا طاہر نے دھمکی دی تھی کہ ''عنقریب پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور یہاں افغانستان جیسے حالات پیدا ہو جائیں گے۔'' قادیانیوں نے اپنے سربراہ کی ''پیش گوئی'' کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور پاکستان کو مسلسل عدم استحکام کا شکار بنائے رکھنے کی مذموم کوششیں کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں وہ پاکستان کے امن و امان کو تباہ کرنے کے لیے فرقہ وارانہ فسادات پیدا کرنے کے منصوبے بناتے رہتے ہیں۔ قادیانی خلیفہ کے حکم پر ہر سال قادیانی بجٹ میں کروڑوں روپے کی رقم مختص کی جاتی ہے۔ کراچی، کوئٹہ، لاہور اور ملتان ان کے خاص ٹارگٹ ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر فائز قادیانی افسران کی وجہ سے یہ منصوبے آسانی سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ محرم الحرام اور ربیع الاوّل کے مقدس مہینوں میں قادیانی وسیع پیمانے پر شیعہ سنی اور بریلوی دیوبندی فساد کا خطرناک منصوبہ بناتے ہیں۔ گزشتہ سال انھی مواقع پر فرقہ وارانہ پمفلٹ کثیر تعداد میں شائع کروا کر تقسیم کیے گئے جس کا مقصد ملک میں بدامنی اور اشتعال پیدا کرنا تھا۔ قادیانیوں کی پوری کوشش تھی کہ اس کی آڑ میں شیعہ، سنی اور دیوبندی، بریلوی فساد ہو جائے تاکہ یہ مسالک تحفظ ناموسِ رسالت ﷺ اور تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر الگ الگ ہو جائیں۔

علمائے کرام کو قادیانیوں کی بھیانک سازش کا نہ صرف بروقت علم ہوگیا بلکہ ان کی دور اندیشی اور نور بصیرت سے ملک بھر میں وسیع پیمانے پر فساد پھیلنے سے رک گیا۔ 1989ء میں انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں QSF کے صدر انس احمد قادیانی طالب علم کے کمرے سے ایسے ہزاروں پمفلٹ برآمد ہوئے۔ پولیس تفتیش میں اس نے اعتراف کیا کہ یہ سارا لٹریچر ربوہ سے لاہور میں قادیانیوں کی مرکزی عبادت گاہ دارالذکر واقع گڑھی شاہو میں آیا جو شہر میں تقسیم کرنے کے لیے سرگرم قادیانی نوجوانوں کو دیا گیا۔

فروری 1997ء میں شانتی نگر خانیوال میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان بڑا تصادم ہوا جس کے نتیجہ میں دونوں فریقوں کا نہ صرف بھاری مالی نقصان ہوا بلکہ پورے ملک میں لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ بھی پیدا ہوا۔ حکومت پنجاب نے اس سانحہ کی تحقیقات کے لیے ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس تنویر احمد خاں کی سربراہی میں یک رکنی تحقیقاتی ٹریبونل قائم کیا جس نے ستمبر 1997ء میں پنجاب حکومت کو اپنی رپورٹ میں کہا کہ اس سانحہ کا ذمہ دار قادیانی جماعت خانیوال کا صدر نور احمد ہے جس نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلم عیسائی تصادم کروایا۔ افسوس! حکومت نے اس سانحہ کے ذمہ دار قادیانی شرپسند کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔

آج کل قادیانی پوری قوت کے ساتھ ختم نبوت پر حملہ آور ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں بے شمار گستاخیوں پر مشتمل لٹریچر باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اور پوری آزادی کے ساتھ مسلمانوں میں تقسیم ہو رہا ہے۔ قادیانی اپنی مذموم کارروائیوں کے ساتھ ملت اسلامیہ کو ختم اور شمع اسلام کو بجھانا چاہتے ہیں...... جبکہ ہم خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں...... خواب غفلت کے مزے لوٹ رہے ہیں...... سوچیے! شافعِ محشر حضور نبی کریم ﷺ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے ہم کب بیدار ہوں گے؟ اسلام کی غیرت اور لاج کے لیے کب متحرک ہوں گے؟ عقیدۂ ختم نبوت پر پے در پے حملوں سے بچاؤ کے لیے کب میدان کارزار میں اتریں گے؟ نبی کریم ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور اہل بیت عظامؓ کی بے حرمتی اور ان کی عزتوں کو پامال کرنے والے بدبختوں کے خلاف کب ایک آہنی دیوار بن کر کھڑے ہوں گے؟ یاد رکھیے! جس جگہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت پر شب خون مارا جا رہا ہو، وہاں ختم نبوت کی حفاظت کرنا آپ کا فرض عین ہے، اس سے ذرا سا بھی اعراض کرنا خود کو حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے محروم کرنے کے مترادف ہے:

؎ قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اُجالا کر دے

ہمیں غور وفکر سے کام لے کر سوچنا چاہیے کہ کیا قبر میں ہمیں ہمارے مسلک کے بارے میں پوچھا جائے گا؟ کیا محشر میں فروعی اختلافات کے بارے میں دریافت کیا جائے گا؟ اگر شفیع المذنبین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں محشر میں پوچھ لیا کہ میری ختم نبوت پر حملے ہو رہے تھے، میری عزت وناموس پر کتے بھونک رہے تھے، تم نے کیا کیا؟ ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ آئے روز دنیا بھر میں اسلام، قرآن اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین و تضحیک کی جاتی ہے مگر ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور اگر کوئی شخص اس سلسلہ میں کام کرتا ہے تو اس پر مخالف مسلک کے آدمی ہونے کا الزام لگا کر اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ اس کی نیت پر شک کیا جاتا ہے۔ افسوس! ہم نے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کا محاذ دشمنانِ اسلام کی یلغار کے لیے خالی چھوڑ دیا۔ ہمیں لڑنا کسی اصل محاذ پر چاہیے تھا جبکہ ہم نے طاقت کسی اور محاذ پر لگا دی۔ معمولی فروعی اختلافات کی حدود توڑ کر جنگ و جدال اور نفرت وعداوت تک پہنچ جاتے ہیں۔ افسوس! یہ سب کچھ خدمت اسلام کے نام پر کیا جاتا ہے۔ مسلکوں کی لڑائی کو جہاد کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بات ماننا تو کجا، کوئی سننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ اس رویے کو صحیح احادیث میں قوموں کی گمراہی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ہمیں ایک منٹ کے لیے تنہائی میں بیٹھ کر سوچنا چاہیے کہ کیا یہ وہی مسائل ہیں جن کے لیے قرآن مجید نازل ہوا؟ کیا حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھی مسائل کے لیے مبعوث ہوئے تھے؟ کیا صحابہ کرامؓ نے ان مسائل کے لیے عظیم الشان قربانیاں دی تھیں؟ کیا اولیا کرامؒ نے ان مسائل کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں؟ جس ملک میں قادیانی اپنی پوری قوت اور وسائل کے ساتھ اس پر حکمرانی کے خواب دیکھتے ہوں، کھلے بندوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہو رہی ہو، اسلام اور قرآن کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جا رہا ہو، وہاں فروعی اختلافات میں الجھ کر رہ جانا بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ جب ہم ان معمولی اختلافات سے بالاتر ہو کر سوچیں گے تو ہمیں سخت ندامت ہوگی۔ ہم اپنی سوچ کا رخ بدلنے کی کوشش کریں گے۔ اس سے نہ صرف امت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی بلکہ پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کے غار میں جا چکا ہے، ان سے نجات مل جائے گی:

ہوا کرتی ہے اپنا کام اور شمعیں بجھاتی ہے
ہم اپنا کام کرتے ہیں، نئی شمعیں جلاتے ہیں

معروف روحانی بزرگ حضرت صوفی برکت علیؒ (سالار شریف والے) اتحاد امت کے بارے میں بڑی دلسوزی اور دردمندی سے فرماتے ہیں: ''اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم پکار ہے۔ اے مسلمان! اے میری جان! اتحاد وقت کی اہم ترین پکار ہے۔ قومیت و فرقہ وارانہ کشیدگی سے بالاتر ہو کر ملتِ اسلامیہ کے مابین اتحاد و اخوت کو فروغ دینے کے لیے متحد ہو جا۔ ظلم و جارحیت کو مٹانے کے لیے متحد ہو جا۔ مظلوم و مجبور کی حمایت کے لیے متحد ہو جا۔ اللہ کے دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے متحد ہو جا اور ضرور ہو جا۔ یہ اختلافات بھی کوئی اختلافات ہیں۔ ان سب کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کے برکت والے نام پہ، اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کے وقار کو بلند تر کرنے کے لیے متحد ہو جا اور ضرور ہو جا، ہر قیمت پہ ہو جا۔ جس طرح بھی ہو سکے ہو جا۔ اگر اس راہ میں تیری جان کی بھی ضرورت پڑے تو گریز نہ کر''۔

ہمیں چاہیے کہ کسی مسلک کی رائے اور فکر کو ترجیح دیتے وقت خوش اسلوبی کا دامن نہ چھوڑا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی أحسن**'' (النحل:125) اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو، اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے۔ مگر بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارا اختلاف رائے ہمیں ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتا ہے کہ پھر مقابل سے کسی طرح کا تعلق رکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا اور اس کے نام سے بھی ہمیں نفرت ہو جاتی ہے اور اس طرح مخالف کے لیے ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھانا بہت سہل اور آسان ہو جاتا ہے اور یہی وہ مذموم اختلاف ہے جس سے اللہ رب العزت نے مؤمنین کو بچنے کی تاکید فرمائی ہے: ''**ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم**'' (سورة الانفال: 46) کہ آپس میں تنازع اور فساد کی صورتیں نہ پیدا کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی (اور مخالف تم پر آسانی سے قابو پالے گا)۔ بہر حال اتنی بات تو طے ہے کہ کوئی بھی قوم یا جماعت اس وقت تک اپنے مشن میں مکمل طور سے کامیابی حاصل نہیں کر سکتی جب تک کہ اس قوم یا جماعت کے افراد میں اتحاد و اتفاق نہ ہو، اس لیے آج اگر ہم امت کی زبوں حالی کو سرخ روئی میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور اس کو ایک نئے انقلاب کی راہ دکھلانا چاہتے ہیں، تو

سب سے پہلے ہمیں باہمی تنازعات اور تفرقہ بازیوں کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا ہوگا، پھر اس کے بعد ہی ہم امن اور چین کی زندگی گزار سکیں گے۔

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

وقت کا تقاضا یہ ہے کہ امت میں جوڑ پیدا کیا جائے اور اجتماعیت کو قائم کیا جائے اور اپنی رائے یا مسلک سے اختلاف کرنے والوں کی عزت کی جائے۔ ایک سبق آموز واقعہ ملاحظہ کیجیے: قاہرہ سے دور ایک گاؤں کی مسجد میں ماہ رمضان کی ایک شب نمازیوں کے درمیان تکرار ہو رہی تھی۔ ''تراویح کی رکعتیں بیس ہی ہیں''؟ ''نہیں حضور نبی کریم ﷺ سے صرف آٹھ ہی ثابت ہیں''۔ ''حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہؓ نے بیس رکعتیں جماعت کے ساتھ ادا کی تھیں، کیا انہوں نے غلط کیا''؟ ''بیس کی دلیل کمزور ہے، ہم نے تو اپنے بزرگوں کو آٹھ پڑھتے ہی دیکھا ہے''۔ ''آٹھ کی دلیل کمزور ہے، ہم تو بیس ہی پڑھیں گے''۔ اس سے پہلے کہ یہ تکرار لڑائی تک پہنچتی، ایک اجنبی آدمی جو انہیں شکل وصورت سے علمی وجاہت کا حامل نظر آتا تھا، اٹھا اور یہ آواز بلند کہنے لگا۔ ''ایھا الاخوان! اجنبی کی آواز کی گھن گرج کچھ ایسی تھی کہ بحث کرنے والے اس کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ میں تراویح کے مسئلہ پر آپ کی بحث کافی دیر سے سن رہا ہوں، مسجد میں شور وغل کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے جبکہ آپ کی بحث، جھگڑے اور لڑائی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ مسئلہ بجائے سلجھنے کے الجھتا جا رہا ہے۔ اگر آپ میرے دو سوالوں کا جواب دے دیں تو شاید مسئلہ سلجھ جائے۔ کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گے''؟ ''جی جی آپ فرمائیے مسئلہ سلجھنا چاہیے''۔ کئی آوازیں مختلف اطراف سے بلند ہوئیں۔ ''سوال یہ ہے''۔ اجنبی نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ ''تراویح کا شرعی حکم کیا ہے؟ یعنی یہ فرض ہے سنت موکدہ ہے یا نفل ہے''؟ ''یہ نفل ہے، یہ نفل ہے''۔ بیک وقت کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ ''بہت خوب! اچھا! اب یہ بتائیے کہ اسلام میں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور اخوت و محبت کے بارے میں کیا حکم ہے۔ یہ فرض ہے یا نفل''؟ ''فرض ہے، فرض ہے''۔ لوگوں نے جواب دیا۔ ''ایھا الاخوان! نفل وہ فعل ہے کہ اگر کسی وقت اسے نہ کیا جائے تو آدمی گناہ گار نہیں ہوتا جبکہ فرض وہ چیز ہے جس کے ضائع ہونے سے انسان گناہ گار ہوتا ہے''۔ کیا میں نے صحیح کہا؟ ''جی بالکل ٹھیک''۔ مجمع نے پوری توجہ سے جواب دیا۔ ''**واعتصموا بحبل الله جمعیاً و لا**

تفرقوا'' (آل عمران:103) کا ارشاد الٰہی ہمیں اس کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیتا ہے اور فرقہ فرقہ ہونے سے منع کرتا ہے کیونکہ جھگڑے اور تنازع سے مسلمانوں میں کم ہمتی پیدا ہوگی اور ان کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ ''ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم'' (الانفال:46) تراویح نفل ہے، اتحاد فرض ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ جو شخص ایک نفل کے قیام کے لیے مسلمانوں کے درمیان تفریق اور انتشار پیدا کرے، ایسا شخص دین وملت کا خیر خواہ ہوگا یا دشمن؟ ''دشمن! دشمن'' پورا مجمع بہ یک زبان ہوکر بولا۔ ''تمہارا دشمن تمہارا اتحاد چاہتا ہے یا انتشار''؟ ''انتشار''۔ ''اب سوچیے! جو شخص حضور اکرم ﷺ کی امت میں انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ حضور اکرم ﷺ کا صحیح پیروکار ہوسکتا ہے''؟ ''حضور اکرم ﷺ کا پیروکار نہیں، وہ دشمن کا ایجنٹ ہی ہوسکتا ہے''۔ ایک نوجوان نے کھڑے ہوکر جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔ ''اب جو لوگ ایسا کام کریں تمہارا کام انہیں روکنا اور سمجھانا ہے یا ان کا ساتھ دینا ہے''؟ ''ہم انہیں روکیں گے''۔ ''تمہیں آٹھ اور بیس تراویح کا مسئلہ زیادہ عزیز ہے یا مسلمانوں کا اتحاد''؟ ''اتحاد، اتحاد''۔ ''ایھا الاخوان! اگر تم اتحاد چاہتے ہو تو اس کے لیے تمہیں تھوڑی سی قربانی دینا ہوگی۔ کیا تم یہ قربانی دو گے''؟ ''ہم ہر طرح کی قربانی دیں گے''۔ ''قربانی صرف اتنی ہے کہ تمہیں جس امام یا اپنی تحقیق پر اعتماد واطمینان ہے، اس پر عمل کرو۔ دوسروں کو دلیل سے سمجھاؤ لیکن دوسرے کا بھی اس کی رائے اور تحقیق پر چلنے کا حق تسلیم کرو کیونکہ ہر مسلمان اپنے موقف کی سچائی کے ثبوت کے لیے قرآن وسنت سے ہی دلیل پیش کرتا ہے۔ کوئی انجیل یا تورات سے استدلال نہیں کرتا۔ تعبیر وتشریح میں اختلاف ہونا فطری امر ہے۔ فروعی مسائل میں جو جس رائے کو مناسب سمجھے، اس پر عمل کرے جبکہ دین کے بنیادی اور متفقہ مسائل کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے لیے تمام لوگ مل جل کر زور لگائیں۔ تمہارا دشمن انگریز ہو یا یہودی، وہ تم پر گولی چلاتے ہوئے یہ فرق نہیں کرے گا کہ فلاں شافعی ہے اور فلاں حنفی۔ فلاں آٹھ تراویح پڑھتا ہے اور فلاں بیس۔ اس کی نظر میں تمام کلمہ گو اس کے دشمن ہیں۔ اس کی کامیابی اس میں ہے کہ تمہیں آپس میں لڑائے رکھے۔ اس لیے آج ضرورت یہ ہے کہ ہم فروعی اختلافات سے بالاتر ہوکر کفر وظلم کے خلاف متحد ہوجائیں اور خود کو صحیح مسلمان بنائیں''۔ اجنبی کی تقریر ختم ہوئی تو لوگ کھڑے ہوکر انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ اسے ملنے لگے۔ گاؤں کا ایک وجیہہ شخص جو اپنے لباس اور چہرے سے ایک متمول اور معزز آدمی دکھائی دیتا تھا، آگے بڑھا اور اس نے اجنبی سے پوچھا: ''میں آپ کی باتوں

سے بہت متاثر ہوا، آپ اپنا تعارف کروائیں تو مہربانی ہوگی'۔ ''میرا نام حسن البنا ہے اور میں قاہرہ میں رہتا ہوں!!

موجوں کے اتحاد کا عالم نہ پوچھیے
قطرہ اٹھا اور اٹھ کے سمندر اُٹھا لیا

فرقہ واریت اور اختلاف جو اجتماعیت اور بھائی چارے کو ختم کرتے ہوئے باہمی بغض و عداوت کا باعث بنے، سراسر حرام ہے۔ اسی طرح دوسروں پر طعن و تشنیع کرنا یا ان کی عیب جوئی اور غیبت کرنا بھی سراسر حرام ہے۔ اجتماعیت اور باہمی محبت کا پاس رکھنا دین کا بنیادی اصول ہے جبکہ کسی جزوی مسئلے میں اختلاف، فروعی اختلافات کے زمرے میں آتا ہے، جسے کسی صورت میں بنیادی اصول پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔ مسلکی اختلافات آگے چل کر مزید گروہوں اور فرقوں کو تشکیل دیتے ہیں۔ ہر مسلک نظریات میں دوسرے سے اختلاف کرتا ہے۔ ان اختلافات میں آدابِ گفتگو کی رعایت نہ کرنا بھی فساد کا باعث بنتا ہے۔ جس سے قوم داخلی انتشار اور مہلک تنازعات کی دلدل میں پھنس جاتی ہے۔ ہر مسلک اپنے موقف کو مستحکم کرنے اور باقی مسلکوں کو ختم کرنے میں اپنی صلاحیتیں بروئے کار لاتا ہے، حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ یہ توانائیاں دین اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے میں صرف ہوتیں۔ امت مسلمہ کی یہ افسوس ناک صورت حال دشمن کے سامنے ہوتی ہے اور وہ موقع کی تلاش میں ہوتا ہے کہ کب مسلمانوں کی باہمی دشمنی اور جھگڑے عروج پر پہنچیں، جس کے نتیجے میں وہ کمزور اور عاجز ہو جائیں اور وہ انہیں مکمل طور پر ختم کر دیں۔......راستے میں کنکر ہی کنکر ہوں تو ایک اچھا جوتا پہن کر اس پر چلا جا سکتا ہے، لیکن ایک اچھے جوتے کے اندر ایک بھی کنکر ہو تو ایک اچھی سڑک پر چلنا بھی مشکل ہوتا ہے، یعنی باہر کے چیلنجز سے نہیں بلکہ ہم اپنے اندر کی کمزوریوں سے ہارتے ہیں۔......ایک گاؤں والا شہر میں کچھ لوگوں کو فٹبال کھیلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کو حیرت ہوئی کہ اتنے سارے لوگ مل کر ایک فٹبال کو کیوں لاتوں سے مار رہے ہیں؟ اس نے ایک بزرگ سے پوچھا ''چاچا! اس گیند کی کیا غلطی ہے جو سارے مل کر اسے ٹھڈوں سے مار رہے ہیں؟'' چاچا نے جواب دیا ''کہ اس کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ یہ اندر سے خالی ہے۔ اگر یہ اندر سے خالی نہ ہو تو کسی کی مجال نہ ہوتی اسے ٹھڈا مارنے کی''۔ آج ہم تمام مسلمانوں کا یہی حال ہے!

امام آجری نے اپنی کتاب ''اخلاق العلماء'' میں لکھا ہے کہ کسی عالم سے جب کوئی

ایسا مسئلہ پوچھا جائے اور اسے معلوم ہو کہ ان مسائل سے فتنہ وفساد پھیلنے کا اندیشہ ہے تو اسے چاہیے کہ سائل سے معذرت کر لے اور اسے ان مسائل کی طرف متوجہ کرے جو زیادہ ضروری اور اہم ہیں۔اسی طرح علما کو عوام اور خصوصاً نوجوانوں کے سامنے ایسے فروعی مسائل ہرگز بیان نہیں کرنے چاہئیں جس سے فتنے کا اندیشہ ہو۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسے لوگوں کے بارے میں جو ملت کا شیرازہ منتشر کرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اپنے مزعومہ عزائم کی تکمیل کے لیے آیات قرآنی کی معنوی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ مخلوق خدا میں سب سے زیادہ شریر ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان قرآنی آیات کو جو کفار ومشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، بڑی بے باکی اور بے تکلفی سے عام مسلمانوں پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ ہمارے اسلاف نے اس معاملے میں انتہائی احتیاط برتی ہے، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب ستر علما نے میری اہلیت کی گواہی دی، تب میں نے فتویٰ دینا شروع کیا۔

بخشش اور مغفرت کا دارومدار کسی طبقے یا مسلک کے عنوان کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہر شخص کے ذاتی عقیدے اور عمل صالح کے باعث خدا کے فضل وکرم پر ہے۔نجات کی کسوٹی یہ نہیں کہ وہ کس فرقہ یا مسلک میں سے ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کی تعلیمات کے کتنا قریب ہے۔حضور سرورِ دو جہاں ﷺ کی محبت واطاعت میں کس قدر سچا ہے اور اپنے فکر وعمل سے دین اسلام کا کس قدر متبع اور وفادار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وحدت ملی کے تصور کو فرقہ پرستی کے ہاتھوں ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ یہ لعنت ہماری زندگی کے لیے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی ہے۔لیکن اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ ہم نے اپنے علمی اختلافات ونزاعات کا موضوع بھی ذات مصطفےٰ ﷺ کو بنا لیا ہے۔(نعوذ باللہ)

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار ﷺ؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نگاہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

آپس میں جھگڑا اور تکرار کس قدر نقصان دہ ہے، اس کا اندازہ آپ اس اہم واقعہ سے

لگا سکتے ہیں۔ حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ (اپنے حجرہ مبارک سے) اس لیے باہر تشریف لائے تا کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرما دیں مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لیے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کی خبر دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا کہ جس کی وجہ سے اُس کی تعیین اُٹھالی گئی۔ جھگڑا اس قدر سخت بری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے شب قدر کی تعیین اُٹھالی گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ جھگڑا ہمیشہ برکات سے محرومی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: کیا میں تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سب سے افضل چیز بتلاؤں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ضرور بتائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آپس کا سلوک سب سے افضل ہے اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہو جاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین بھی اسی طرح صاف ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی آبروریزی کو بدترین سود اور خبیث ترین سود ارشاد فرمایا ہے لیکن ہم لڑائی کے زور میں نہ مسلمان کی آبرو کی پروا کرتے ہیں، نہ اللہ اور اس کے سچے رسول ﷺ کے ارشادات کا خیال۔ آج وہ لوگ جو ہر وقت دوسروں کا وقار گھٹانے کی فکر میں رہتے ہیں، تنہائی میں بیٹھ کر غور کریں کہ خود وہ اپنے وقار کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں اور اپنی ان ناپاک اور کمینہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کتنے ذلیل ہو رہے ہیں اور پھر دنیا کی ذلت بدیہی۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال بند رکھے، اگر اس حالت میں مر گیا تو سیدھا جہنم میں جائے گا۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر و جمعرات کے دن اللہ کے حضور بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے (نیک اعمال کی بدولت) مشرکوں کے علاوہ اوروں کی مغفرت ہوتی رہتی ہے مگر جن دو میں جھگڑا ہوتا ہے، ان کی مغفرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ ہو۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر پیر و جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے، اس میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور استغفار کرنے والوں کی استغفار قبول کی جاتی ہے مگر آپس میں لڑنے والوں کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ شب برات میں اللہ کی رحمت عامہ خلقت کی طرف متوجہ ہوتی ہے (اور ذرا ذرا سے بہانہ سے) مخلوق کی مغفرت فرمائی جاتی ہے مگر دو شخصوں کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک کافر اور دوسرا وہ جو کسی سے کینہ رکھے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کی نماز

قبولیت کے لیے ان کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی، جن میں آپس میں لڑنے والے بھی شامل ہیں۔

مؤرخ جب بھی ہماری تاریخ لکھے تو الفاظ ضائع نہ کرے بس اتنا لکھ دے کہ گھر جل رہا تھا اور مکین آپس میں کافر کافر کھیل رہے تھے۔ 656 ہجری کا دور تھا۔ خلافت عباسیہ اپنے آخری سانس پورے کر رہی تھی۔ فرقہ پرستی کا بازار گرم تھا اور مسلکوں کی باہمی کشمکش اور آویزش اپنے عروج پر تھی۔ بغداد کے گلی کوچے مناظروں اور بحث وتکرار کا مرکز بن چکے تھے۔ سب باہم دست وگریباں تھے اور سارا بغداد تفرقے کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس اندرونی خلفشار سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوتی گئی اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ منگولوں اور تاتاریوں کا فتنہ اسلامی خلافت کی سرحدوں پر منڈلانے لگا۔ ہلاکو اور طوفانی دستے اس صورت حال میں فائدہ اٹھاتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے بغداد کی عظیم سلطنت کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئے۔ تاتاریوں نے عظیم الشان اسلامی تہذیب وتمدن کی روشن شمعوں کو آنِ واحد میں گل کر دیا۔ ظلم وبربریت کے وہ پہاڑ توڑے کہ ایک اندازے کے مطابق بیس بائیس لاکھ افراد تہہ تیغ کر دیئے گئے اور دریائے دجلہ کا پانی تین دن تک ان کے خون سے سرخ رہا۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق تاتاریوں کو بغداد پر حملے کی دعوت بھی کچھ ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے ہی اپنے فرقہ وارانہ تعصب کی آگ بجھانے کی خاطر دی تھی، ورنہ خلافت بغداد کا دبدبہ باوجود سیاسی کمزوریوں کے چار دانگ عالم پر چھایا ہوا تھا اور کسی کو اسلام کے اس مرکز پر حملہ کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اس رستاخیز سفاکیت کے عالم میں تمام مسالک یکساں طور پر تاتاریوں کی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنے اور ان کی عبادت گاہیں، مسجدیں، محراب ومنبر اور علمی مراکز تباہ وبرباد کر دیئے گئے۔ تاریخ کی زبان صرف زوال بغداد کے حوالے ہی سے نہیں، بلکہ دوسرے حوالوں سے بھی ہم کلام ہو رہی ہے کہ جب بھی دشمن کو اہل اسلام پر غلبہ حاصل ہوا، اس کا ہدف کوئی خاص مسلک نہ تھا بلکہ بلاامتیاز سب مسلمان تھے۔

خوش فہمیوں کے سلسلے اتنے دراز ہیں!
ہر اینٹ سوچتی ہے کہ دیوار مجھ سے ہے!

امت مسلمہ کا اتحاد، یگانگت اور یکجہتی سب سے بڑا سرمایہ ہے جبکہ مذہبی اور معاشرتی فرقہ وارایت سب سے بڑی لعنت ہے۔ ایک پھل بیچنے والے سے پوچھا: اس انگور کے گچھے کی

قیمت؟ بولا صاحب: 120 روپے کلو۔ پاس ہی الگ سے کچھ مختلف ٹوٹے ہوئے انگوروں کے دانے بھی پڑے ہوئے تھے، اس کا بھاؤ؟ وہ کہنے لگا: 45 روپے کلو۔ میں نے پوچھا: اتنا کم دام کیوں؟ وہ بولا: ہیں تو وہ بھی بہت عمدہ! لیکن یہ گچھے سے ٹوٹ گئے ہیں۔ اسی وقت میرے ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ اپنے مسلکی بنیادوں پر الگ ہونے پر ہماری قیمت آدھی سے بھی کم رہ جاتی ہے۔ واقعتاً اتحاد و اتفاق میں طاقت ہے۔ اتحاد جب مٹی نے کیا تو اینٹ بن گئی، اینٹوں نے اتحاد کیا تو دیوار بن گئی، دیوار نے اتحاد کیا تو گھر بنا، یہ بے جان چیزیں ہیں، یہ جب ایک ہو سکتی ہیں تو ہم متحد کیوں نہیں ہو سکتے جبکہ ہم انسان ہیں بلکہ سب سے بڑھ کر مسلمان ہیں۔ ذرا سوچیے گا...... حضرت مولانا محمود حسنؒ نے بجا فرمایا: ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس میں اختلاف اور خانہ جنگی''۔ آج ہم میں ایسا کوئی نہیں ہے جو صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے زیادہ دین پر استقامت رکھتا ہو، واستقم کما امرت (الشوریٰ: 15) کی تعمیل نے ان کو وقت سے پہلے بوڑھا بنا دیا تھا اور ان کی ہڈیوں کے گودوں کو گلا دیا تھا، ان کا موقف واضح تھا کہ اجتماعیت اور بھائی چارا دین اسلام کا بنیادی ستون ہے جس کی خاطر فروعات کو قربان کیا جا سکتا ہے جبکہ اختلاف اور فرقہ پرستی دین و دنیا کے بگاڑ کا باعث ہے۔

دور حاضر میں بعض اختلافات نے انتہائی بھیانک شکل اختیار کر لی ہے اور ان اختلافات کے بھڑکنے اور بھڑکانے کی وجہ سے امت اسلامیہ زار و نزار ہے، اس کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی ہے اور دشمنان اسلام ان اختلافات کو بھڑکا کر امت مسلمہ کی تباہی و بربادی دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں، مثلاً دور حاضر میں دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث کے اختلافات نے بڑی شدت اختیار کر لی ہے اور ان کے باہمی نزاعات انتہائی ناگوار شکلیں اختیار کر چکے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمان ایک امت ہیں، ان کا کلمہ ایک ہے، ان کا دین ایک ہے، ان کا قبلہ ایک ہے، ان کی کتاب اور ان کا رسول ایک ہے، عقیدہ آخرت بھی تمام مسلمانوں کا یکساں ہے، لیکن بعض اعتقادی، نظریاتی اور اجتہادی مسائل کی وجہ سے مسلمان گروہوں، جماعتوں اور مسلکوں میں بٹ گئے، علاقائی و لسانی تفریق اور برادری و خاندانی تقسیم نے بھی مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت امت مسلمہ افتراق و

انتشار کا شکار ہے۔ جس امت کی تعلیمات میں اتحاد ملت اور اس کے نظام زندگی میں وحدت امت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی، وہ آج گروہی تصادم، مسلکی اختلاف، علاقائی ولسانی تفریق، برادری وخاندانی تقسیم میں بٹی ہوئی ہے۔ عام لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے خود علماء کا طبقہ مختلف قسم کے تحفظات کا شکار نظر آ رہا ہے۔ اس کی ایک تعداد مسلکی تفاخر کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے پر تنقید وتبصرے میں مشغول نظر آتی ہے۔ خالص علمی اور تحقیقی بحثوں میں بھی ایک دوسرے پر تنقید وتذلیل فراخدلی سے ہوتی رہتی ہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ دشمنان اسلام امت مسلمہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور ان کو بے وزن کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو رہے ہیں...... یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت پورا عالم اسلام جن مشکلات سے دوچار ہے، شاید اس سے قبل کی تاریخوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

کہاوت وشل ہے: ''زبان شیریں ملک گیری، زبان ٹیڑھی ملک بانکا'' یعنی نرم زبانی سے بہت کام نکل جاتے ہیں جبکہ سخت کلامی سب کو دشمن بنا دیتی ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے مسلک یا رائے وقول کو ترجیح دیتے وقت دوسری رائے یا مسلک پر طنز وتشنیع نہ کرے، دوسری رائے رکھنے والوں کی تحقیر وتوہین سے مکمل اجتناب کرے اور نازیبا کلمات کے استعمال سے مکمل گریز کیا جائے۔ کسی قول یا مسلک کی ترجیح کے وقت ہمیشہ اعتدال کی راہ اپنائی جانی چاہیے اور خوش اسلوبی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اگر کوئی آپ کی رائے یا مسلک کے خلاف عمل کر رہا ہو تو اس پر نکیر نہ کی جائے اور اسے قلبی بعد ونفرت کا باعث نہ بنایا جائے۔ ترجیح دیتے وقت مثبت انداز اختیار کیا جائے، دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے اور تضاد وتناقض سے بچا جائے۔ ایک شخص کی غلطی کو بس اس کی ذات تک محدود رکھا جائے، اس کی وجہ سے پوری جماعت یا تحریک کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ جس نے غلطی کی ہے وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کسی قول کو ترجیح دیتے وقت چیلنج کرنے والا اسلوب اختیار نہیں کیا جانا چاہیے، بلکہ اشتعال دلانے اور برانگیختہ کرنے والے اسلوب سے پرہیز کیا جانا چاہیے تاکہ دوسرے فریق میں ضد یا کسی بات پر اصرار کرنے یا اڑ جانے کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ اسلام کے داعیوں کا اصل اور سب سے اہم کام، امت میں متفق علیہ امور پر توجہ مرکوز کرنے میں ہے اور انھی امور متفق علیہ میں آپس میں تعاون وقت کی اہم ضرورت اور دینی فریضہ ہے۔ ہر مسلک پر یہ لازم ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو۔ امت کا اتحاد علماء کے اتحاد پر موقوف ہے۔ ایک امت بن کر زندگی

گزارنے کے فوائد سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اس کے لیے مختلف مسلک کے لوگ ایک پلیٹ فارم سے عوام کو اتحاد کا پیغام سنائیں اور اختلافات کی خرابیاں اور اس کے نقصانات سے لوگوں کو باخبر کیا جائے۔قرآن وسنت دین کی اساس ہیں اور ان میں ہر طرح کے احوال سے متعلق ہدایات واحکام موجود ہیں، ہر مسلک ومکتب فکر کے ماننے والوں کو یہ بات سمجھانی ہوگی کہ فروعی مسائل قرآن واحادیث ہی سے ائمہ مجتہدین نے اخذ کیے ہیں، اختلاف نصوص میں نہیں، بلکہ ''سمجھ'' میں ہے۔اس لیے فروعی مسائل میں اپنے اپنے امام کی سمجھ پر عمل کریں، البتہ اسے وجہ نزاع نہ بنائیں۔ایک امت بن کر زندگی گزارنے کے فوائد سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اس کے لیے مختلف مسلک کے لوگ ایک پلیٹ فارم سے عوام کو اتحاد کا پیغام سنائیں اور اختلافات کی خرابیاں اور اس کے نقصانات سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اتحاد بین المسلمین کی دعوت دی جائے اور فروعی مسائل پر بحث کرنے کے بجائے اسے عمل کا جز بنایا جائے۔

مفکر اسلام حضرت علامہ اقبالؒ جو اتحاد بین المسلمین کے بہت بڑے داعی اور نقیب تھے، مسلمانوں کی وحدت اور یگانگت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حضور بڑی دلسوزی کے ساتھ دعا مانگتے ہیں:

رشتہ وحدت چو قوم از دست داد — صد گرہ بر روئے کار ما فتاد
ما پریشاں در جہاں چوں اختریم — ہمدم و بیگانہ از یک دیگریم
باز ایں اوراق را شیرازہ کن — باز آئین محبت تازہ کن

(اے ذاتِ باری تعالیٰ! جب سے قوم نے اتحاد واتفاق کا رشتہ چھوڑ دیا تو ہمارے دینی وسماجی کاموں میں سیکڑوں گرہیں پڑگئیں۔ہم دنیا میں ستاروں کی طرح منتشر ہوکر رہ گئے۔اگرچہ ہم سب اکٹھے رہتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے لاتعلق اور ناآشنا ہیں۔یا اللہ! ان بکھرے ہوئے اوراق کی پھر سے شیرازہ بندی کردے اور پھر سے محبت کے دستور کو تازہ کردے۔)

نوٹ: یہ پمفلٹ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ننکانہ صاحب کے ناظم تبلیغ جناب ملک محمد سرور کی خواہش پر تحریر کیا گیا۔

انتشار کی شیرازہ بندی

اتحاد بین المسلمین سے متعلق محترم محمد متین خالد کا کتابچہ، ان کے دل کے جس درد کا ترجمان ہے، وہ درد ہر صاحب دل محسوس کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت اور ان کے جذبۂ صادق کو قبول فرمائے اور ہم کو ایک بنا دے کیوں کہ انتشار کی شیرازہ بندی اُسی کے اختیار میں ہے، ہم تو صرف التجا کر سکتے ہیں اور اس کی تائید کے بغیر ہر ارادہ خام، ہر آرزو، نامکمل اور ہر خاکہ بے رنگ ہے۔ حرف کو تاثیر، تاثیر کو توقیر، ظلمت کو تنویر اور خواب کو تعبیر اُسی کی بارگاہِ بندہ نواز سے ملا کرتی ہے۔

کون بجھتے ہوئے منظر میں جلاتا ہے چراغ
سرمئی شام پہ تحریرِ حنا کس کی ہے؟

کاش

- ہم قبلتاً مکی اور قلباً مدنی بن جائیں کہ مکہ، عقیدے کا مرکز ہے اور مدینہ عقیدت کی جلوہ گاہ۔
- ہم قلمی اور لسانی طور پر کہنے کے بجائے قلبی اور عملی طور پر کہیں ؎

فکر و فن کی ضیا، نقشِ پا آپ کا
رہبر و رہ نما، نقشِ پا آپ کا
رہبرانِ زماں، بے حس و بے وفا!
اب فقط آسرا، نقشِ پا آپ کا
کوئی پوچھے اگر مجھ سے مسلک مرا
میں کہوں برملا، نقشِ پا آپ کا
(صلی اللہ علیہ وسلم)

پروفیسر محمد اقبال جاوید
سابق صدر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ